# الطلاق مرتان

علامہ تمنا عمادی

دوست ایسوسی ایٹس
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ

1998ء

محمد شاہد عادل نے

زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر

دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

سے شائع کی۔

سرورق : ریاظ

کمپوزنگ: یونیک گرافکس

فرسٹ فلور' الفضل مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

قیمت -/70

# فہرست

اعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

بقلم خود

میں نے بھی عہد شباب تک تو محض مقلدانہ حنفی مسلک کے مطابق قرآن و حدیث کی خدمت میں عمر کا کچھ حصہ بسر کیا تھا' مگر توفیق الٰہی میرے دامن دل کو بار بار تقلید کی اندھی کوٹھری سے کھینچ کر تحقیق کی روشن فضا کی طرف لے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بالآخر میں نے تقلید سے توبہ کی مگر جماعت اہل حدیث میں بھی داخل نہ ہوا۔ اس لئے کہ ان کو دیکھا کہ یہ صرف امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ضد رکھتے ہیں اور آئمہ حدیث کی ویسی ہی تقلید کرتے ہیں جیسی حنفی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کی۔ مثلہ' معہ والی جھوٹی حدیث پر ان کا ایمان ہے۔ صرف اہل حدیث ہی نہیں بلکہ روایت پرست احناف علماء بھی اس میں ان کے شریک ہیں۔ قرآن مجید کی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم کا ختم ہوتا ہے اور بعض علماء تو تلاوت بھی کرتے ہیں۔ حصن حصین کی تلاوت کا تو صوفی علماء میں اکثر معمول ہے۔

حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بعض سفید جھوٹ تک موجود ہیں۔ سیاہ جھوٹ چھپے ہوئے کتنے ہوں گے؟ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ" یہ صفت خصوصی قرآن مجید ہی کی ہے کیونکہ تنزیل من حکیم حمید باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے بہت بڑے حکمت و حمد کے مالک کی طرف سے اتری ہوئی کتاب ہے۔ حدیث کی کوئی کتاب کذب و افترا سے پاک نہیں۔ جب حدیث کی کتابوں کی حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی تو میں رجال حدیث کی کتابیں دیکھنے لگا اور راویان احادیث کے حالات سے واقفیت حاصل کی۔ خود رجال حدیث پر کئی کتابیں لکھیں۔

جو مسودے کی شکل میں میرے پاس موجود ہیں۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تقریباً پانچویں صدی ہجری تک شیعہ سنی محدثین ساتھ مل کر جمع حدیث کا کام کرتے رہے مگر اکثریت اہل سنت کی تھی اس لئے جمع حدیث کا کام گو سنی محدث نے شروع کیا مگر وہ شیعہ راویان حدیث سے بھی حدیثیں لیتے رہے۔ کسی قدر احتیاط کے ساتھ ہی سہی اور اس وقت شیعہ اپنے صحیح عقائد کو چھپاتے بھی بہت تھے۔ ان کے امام کی تاکید شدید تھی کہ اپنے مخصوص عقائد کو پوشیدہ رکھو۔ وہ اپنے معتقد ہی سے کہتے تھے کہ نحن علٰی دین من کتمہ اعزہ اللہ و من اذاعہ اذلہ اللہ ہم لوگ ایسے دین پر ہیں کہ جس نے اس کو پوشیدہ رکھا اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کو دوسروں پر ظاہر کر دیا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔ (اصول کافی باب الکتمان فی صفحہ ۴۸۵)۔ کتنے شیعہ راویان حدیث خلفائے راشدین خصوصاً" حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی منقبت میں حدیثیں روایت کرکے اپنے کو اہل سنت یا کم سے کم غیر متعصب شیعہ ظاہر کرکے اہل سنت ائمہ حدیث کے معتمد علیہ بنے ہوئے تھے۔

یہی باعث ہے کہ جو کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں مثلاً صحاح ستہ اور موطا وغیرہ ان میں کثرت سے حدیثیں شیعوں کی ملتی ہیں۔ بعض کے راوی تو کھلے ہوئے شیعہ ہیں جن کی تشیع کا ذکر ائمہ رجال کرتے ہیں۔ بعضوں کے متعلق لکھ دیتے کہ فیہ تشیع یسیر لا یضر اس شخص میں محض ہلکا سا تشیع ہے جو مضر نہیں ہے۔ بعضوں کے تشیع کا حال ان پر واضح نہ ہو سکا پردہ کتمان میں پوشیدہ رہے۔

غرض اہل سنت کی جتنی کتابیں احادیث کی ہیں ان میں سے کوئی بھی مخصوص اہل سنت کی نہیں ہیں سب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی موجود ہے۔ نماز میں سجدے کے لئے جو شیعہ حضرات سجدہ گاہ رکھتے ہیں جس کو عربی میں خمرہ اور فارسی میں مہرہ نماز کہتے ہیں اس کی حدیثیں جو صحاح کی بھی بعض کتابوں میں نظر آتی ہیں وہ اہل سنت کی حدیثیں نہیں ہیں۔ شیعوں کا حصہ رسدی ہیں۔ اس طرح

فضائل و مناقب کی اکثر حدیثیں خاص شیعوں کی روایت کردہ ہیں جو کوفے یا خراسان وغیرہ سے پھیلیں ورنہ کوئی بتائے کہ جس وقت امام مالک موطا لکھ رہے تھے امام بخاری صحیح بخاری کی حدیثیں جمع کر رہے تھے امام مسلم صحیح مسلم مدون کر رہے تھے اس وقت کون سے شیعہ محدث تھے جو شیعوں کی حدیثیں اہل سنت سے الگ جمع کر رہے تھے؟ سب سے پہلے شیعہ محدث تو ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی متوفی سن ۳۲۸ تھے اور ان کی کتاب شیعوں ہی میں محدود رہی اور دوسروں سے پوشیدہ ہی رہی۔ جب ایران میں سلطنت صفوی قائم ہوگئی اس وقت سے شیعوں نے اہل سنت سے تقریباً علیحدگی اختیار کرنی شروع کر دی اور پھر وہ علانیہ ایک مستقل جماعت اہل سنت سے علیحدہ بن گئے اور اپنی کتابیں علیحدہ تصنیف کرنے لگے اور جو ان کے اگلوں نے بطور خود لکھ لکھ کر چھپا رکھی تھیں ان کو نکالنے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بھی انہیں صحاح سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں جو اہل سنت کی کتابیں کہی جاتی ہیں بیسوں شیعہ راویان حدیث موجود ہیں۔ یہاں تک کہ صاحب مستدرک ابو عبداللہ الحاکم جو شیعہ تھے ان کی کتاب حدیث مستدرک بھی چونکہ اسی زمانہ اجمال کی تصنیف ہے اس لئے اہل سنت بھی اس کو ایک حد تک معتبر سمجھتے ہیں اور اس کی حدیثوں سے بھی استناد کرتے ہیں۔

اتنا لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ صحاح ستہ اور جتنی کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی خاص اہل سنت کی نہیں ہے جس طرح شیعوں کی کتابیں خاص شیعوں کی ہیں۔ ایسی کوئی کتاب بھی صرف اہل سنت کی نہیں ہے۔ ہر کتاب میں بیسوں شیعہ راویان حدیث موجود ہیں اس لئے ان کتابوں کی کسی حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ شیعہ مسلک کے مطابق یہ حدیث اہل سنت کی کتابوں میں بھی ہے صحیح نہیں ہے۔ شیعہ مسلک کے مطابق جو حدیث بھی ان کتابوں میں ہے جو کتابیں اہل سنت کی کہی جاتی ہیں وہ حدیث شیعوں کا حصہ رسدی ہے اور یہ ساری کتابیں اجمالی کتابیں ہیں جن میں شیعہ سنی سب کی حدیثیں ہیں۔

اگر خمرہ یعنی سجدہ گاہ والی حدیث خاص شیعوں کی نہ ہوتی اور اہل سنت

کے نزدیک معتبر ہوتی تو اہل سنت کا کوئی نہ کوئی فرقہ ضرور نمازوں میں سجدہ گاہ کا پابند ہوتا اور کپڑے' دری' کھال کی جانمازوں پر سجدہ کرنے کو اہل سنت کا بھی کوئی نہ کوئی فرقہ ضرور ناجائز کہتا۔ مشترک کتاب ہونے کی وجہ سے اس قسم کی حدیثیں محدثین نے لکھ تو لیں مگر کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ اس لئے کہ سارے اہل سنت علماء ان حدیثوں کو خالص شیعہ مذہب کی حدیثیں سمجھتے رہے۔

**سرچشمہ احکام** : احکام دین کا اصل سرچشمہ تو کتاب اللہ قرآن مجید ہے۔ احکام بجا لانے کی ہیئتوں اور طریقوں کی تفصیلات حدیثوں سے ملنی چاہئیں۔ مگر منافقین عجم نے محض تخریب دین کے لئے دین کے ہر حکم کے متعلق اتنی متعدد و متخالف بلکہ متضاد حدیثیں بنا بنا کر روایت کرنا شروع کر دیں کہ اس کا پتا لگانا محال ہوگیا کہ کس حکم قرآن کی بجا آوری کس طرح کی جائے جو واقعی سنت نبوی ہو۔ ایک نماز ایسی چیز کو دیکھ لیجئے کہ عہد نبوی سے لے کر آج تک ہر سچا مسلمان پنج گانہ نماز پڑھتا آرہا ہے۔ مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کس طرح تھی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کس طرح پڑھتے تھے۔ آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی تھی یقیناً" آپ کے پیچھے ہر صحابی نے بالکل اسی طرح نماز پڑھی ہوگی۔ جس طرح خود آپ نے پڑھی تھی۔ پھر جب آپ شدت مرض کے باعث مسجد تک پہنچنے سے معذور ہوگئے اور صحابہ سے فرمایا کہ مروا ابا بکر یصلی بالناس ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کی جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں امام کی حیثیت سے نمازیں پڑھیں تو حضرت صدیق اکبر نے یقیناً" بالکل اسی طرح نماز با جماعت امام بن کر پڑھی ہوگی جس طرح آنحضرت نے آخری نماز پڑھی تھی۔ تقریباً پانچ دنوں تک نیابت نبوی میں حضرت صدیق اکبر نے جماعت صحابہ کی امامت کی اس پچیس وقت کی نمازوں میں سے اگر کسی وقت بھی آنحضرت کی آخری نماز سے وہ کسی معمولی رکن میں بھی اختلاف کرتے تو کوئی صحابی پھر ان کے پیچھے کبھی

نماز نہ پڑھتا اور اسی وقت اس اختلاف کا سبب ان سے پوچھا جاتا' بلکہ آنحضرتؐ کے پاس ان کی شکایت پہنچتی مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی۔ پھر وفات نبوی کے بعد بھی یقیناً" اپنی پوری مدت خلافت میں اپنی وفات تک حضرت صدیق اکبر بالکل اسی طرح یقیناً" نماز پڑھتے رہے ہوں گے اور ان کے پیچھے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو مدینے میں رہتے تھے یا باہر سے کبھی آجاتے تھے بالکل اسی طرح پڑھتے ہوں گے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز پڑھی تھی۔ پھر حضرت فاروق اعظم نے بھی اپنی پوری مدت خلافت میں دس برس تک اسی طرح پڑھی ہوگی۔ پھر حضرت عثمان نے بھی بارہ برس تک اور ان کے پیچھے سب صحابہ نے اسی طرح نماز پڑھی ہوگی۔ پھر حضرت علی نے بھی بالکل اسی طرح پڑھی ہوگی اور ان کے پیچھے بھی جہاں جہاں جس جس نے نماز پڑھی ہوگی بالکل اسی طرح پڑھی ہوگی۔ کوئی وجہ ہی نہیں ہے کہ کسی نے بھی کسی ایک رکن میں ذرا سا بھی اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز سے کیا ہو اور یقیناً" سارے صحابہ اسی طرح نماز پڑھ رہے ہوں گے۔ اور تا زندگی پڑھتے رہے ہوں گے۔

مگر آپ دیکھئے اذان و اقامت اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک کون سا رکن نماز ہے جس میں حدیثوں نے اختلاف نہیں پیدا کیا ہے اور آج شیعہ و حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کی نمازوں کو دیکھ لیجئے کہ کس قدر باہم مختلف ہیں۔ اور کوئی نہیں یقینی طور سے بتا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کس طرح سے تھی اور خلفائے راشدین کس طرح نمازیں پڑھتے تھے اور سارے صحابہ کی متفق علیہ نماز کس طرح تھی۔

یہ کہنا کہ جتنی طرح کی نمازیں حدیثوں میں مروی ہیں جب وہ سب حدیثوں سے ثابت ہیں تو سب سنت ہیں۔ ان میں سے جس طریقے سے بھی کوئی پڑھے گا اتباع سنت ہی کرے گا۔ غلط اور سراسر غلط ہے۔ وہ اتباع راویان حدیث کرے گا' اتباع سنت نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ اگر واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے ایک طریقے کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا تو پہلے متروک طریقہ سنت نہ رہا۔ اس کا ترک سنت ہو گیا۔ اور جو طریقہ اس کے بعد جاری رہا وہی سنت رسول رہے گا۔ ورنہ فعل رسول سے زیادہ واجب الاتباع فعل اللہ ہے۔ تورات و انجیل بھی کتاب اللہ ہی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والے کیوں مستحق نجات آخرت اس وقت نہ ہوں گے۔ اور پھر بیت المقدس کی طرف رخ کرکے اگر کچھ لوگ نماز پڑھنا اس وقت شروع کر دیں تو کیوں ناجائز ہو گا؟ وہ بھی سنت سابقہ رسول ہے۔

آپ یہ کہتے کہ چونکہ ان حدیثوں کے سبب

؎ حقیقت روایات میں کھو گئی

اب پتا نہیں ملتا ہے کہ واقعی سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین نماز کے متعلق کیا تھی۔ تو جب ہم مختلف طریق میں سے کسی کو متعین نہیں کر سکتے تو جس کو بظاہر عقل جو سنت نبوی معلوم ہو اسی کو وہ اختیار کرلے اور ایسی حالت میں جب کہ حقیقی سنت کا پتا نہیں مل رہا ہے مجبوراً" سب کو سنت سمجھنا چاہئے تو یہ کہنا ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے مگر یہ مجبوری بھی دراصل کوتاہی ہمت اور دیانت دارانہ تحقیق سے جی چرانے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اگر ساری دنیا کے مسلمان نہ سہی کم سے کم ایک ہی ملک کے مسلمان چند اہل علم کو جو متقی ہوں اللہ تعالیٰ سے' باز پرس آخرت سے ڈرتے ہوں اپنا نمائندہ منتخب کرکے ان کے فیصلے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور وہ اہل علم کسی فرقے سے تعلق نہ رکھتے ہوں خالص مسلم ہوں اور روایات پرست بھی نہ ہوں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث سے بھی واقف ہوں وہ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر ساری متعلقہ حدیثوں پر غور کریں ہر ایک کے رجال کو دیکھیں اور روایت و درایت دونوں طرح سے حدیثوں کی تنقید کریں تو والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کا وعدہ الہیہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ و تبارک احادیث صحیحہ کا پتا ضرور مل جائے گا۔

**قرآن مجید پر ظلم :** ان عجمی منافقین نے قرآنی احکام میں تحریف معنوی پیدا

کرنے کے لئے ہر ہر آیت احکام کے متعلق مختلف بلکہ بعض متضاد تفسیری حدیثیں مرفوعاً" نہیں تو کم سے کم صحابہ ہی کا قول پیش کرکے ان آیات کے صحیح مفہوم کو بدلنے کی نامبارک سعی کی ہے۔ میں نے احکام القرآن ایک مخلص عزیز کی فرمائش سے لکھنا شروع کردیئے تھے مگر افسوس کہ وہ اس کے اخراجات کی کفالت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور میں اپنی پیرانہ سالی اور ضعف بصارت اور بعض دوسرے امراض کے ماتحت بغیر ایک مددگار کے جو میری ہدایت کے مطابق لائبریریوں سے کتابوں کی عبارت نقل کرکرکے لائے اور کتابوں کی عبارت مجھ کو پڑھ پڑھ کر سنائے۔ میرے مسودوں کو صاف کرے۔ بطور خود ان سب کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وہ کتاب تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ کتاب الطہارت کے بعض ابواب اور حلال و حرام جانوروں کے متعلق اور معاملات میں ربو (سود) کی بحث تک پہنچا تھا کہ کام ناتمام رہ گیا۔ ان عجمیوں کی حدیثوں نے سود کے مسئلے کو بھی اس طرح الجھا دیا ہے کہ کسی طرح اس کی گتھی مقلد اور روایت پرست غیر مقلد علماء میں سے کسی سے بھی سلجھ نہیں سکتی۔ حالانکہ قرآن مجید نے اپنے کسی حکم کو گنجلک نہیں رکھا۔ منافقین عجم کی خود ساختہ حدیثوں نے کتنے احکام کو الجھا کر چھوڑ دیا ہے۔ وراثت میں حاجب و محجوب کے مسئلے کو الگ انہیں راویان نے الجھا دیا کہ خود فقہاء کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ حاجب و محجوب کی گتھی سلجھتی نظر نہیں آتی۔ مگر سلجھے تو کس طرح ہر مسئلے کو صرف روایات کے ماتحت غور کیا جاتا ہے اور روایتیں تو الجھانے کے لئے بنائی ہی گئی ہیں۔ آپ الجھاؤ ہی کے اسباب سے اگر سلجھانے کا کام لیں گے تو سود کی گتھی ہو یا حاجب و محجوب کی' قیامت تک نہیں سلجھے گی۔

اصل سرچشمہ احکام قرآن مجید ہے۔ سب سے پہلے ہر حکم کو قرآن مجید کی آیتیں سامنے رکھ کر روایات و فقہیات وغیرہ سے بالکل خالی الذہن ہوکر صرف آیتوں سے اس کے سیاق و سباق پر غور کیجئے اور صرف آیات ہی سے پہلے سمجھ لیجئے کہ آیتیں کیا کہہ رہی ہیں۔ اس کے بعد حدیثوں کو دیکھئے جو حدیثیں آیات اور ان کے سیاق و سباق کے مطابق ہوں ان حدیثوں کو قبول کیجئے جو آیات اور ان کے

سیاق و سباق کے خلاف ہوں منافقین عجم کا افتراء سمجھئے اور ان کو رد کر دیجئے۔ مگر جہاں آیات خود اپنا مفہوم واضح طور سے ادا کر رہی ہیں کسی مزید شرح کی محتاج نہیں جس طرح طلاق سے متعلق آیات ہیں یا سود کے متعلق وہاں حدیثوں کی چھان بین کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث میں تین بار فان لم تجد پر اہل علم کیوں نہیں غور فرماتے۔۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

والسلام

# معذرت تلخ نوائی

عام ناظرین، خصوصاً علمائے کرام، قصم اللہ لما یحب و یرضی عنہ سے بڑی لجاجت کے ساتھ میری التجا ہے کہ ۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

قرآن مجید پر اہل روایات کے حملے اور طرح طرح کے حملے دیکھتے دیکھتے میرا دل پک گیا ہے۔ میں مجبور ہوں کہ زبان قلم ہی سے اپنے زخم دل کی ٹیس پر آہ و فغاں کروں اور جن لوگوں کی بدولت میرے دل میں یہ زخم پیدا ہوا ہے ان سے انتقام لوں اور میرا یہ غصہ صرف جذبہ الذب عن القرآن المجید میں ہے۔ قرآن مجید پر جتنے حملے لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ کئے ہیں، میں انشاء اللہ المستعان سب کی مدافعت قرآن مجید کی طرف سے کروں گا اور کر رہا ہوں۔ کتاب اعجاز القرآن جس کی پہلی قسط ہے اس کا دوسرا حصہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ حاضر خدمت ہوگا۔ آپ حضرات کے ایمانی جذبے سے امید قوی ہے کہ آپ میرے اس جہاد فی سبیل اللہ میں میرا ساتھ دیں گے، ورنہ کم سے کم مجھ کو معذور سمجھیں گے۔

الا انمی من هوی العذری معذرۃ

والسلام
آپ کا کمترین بھائی
تمنا عمادی غفرلہ

## میرے محترم بزرگو' بھائیو اور عزیزو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اپنی طرف سے ایک حرف نہیں لکھا ہے قرآن مجید نے جو کچھ فرمایا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یاد رکھئے کہ سارے مفسرین و محدثین و فقہاء و مجتہدین سب کے سب یکجائی طور سے بھی قیامت کے دن آپ کی کچھ مدد نہیں کریں گے اور نہ کر سکیں گے۔ اب آپ تو روایات کی تلواروں سے قرآن مجید کی آیات کو للہ ذبح نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی سے بہت ڈریئے۔

قیامت دور سہی
مگر من مات فقد قامت قیامتہ
معروضہ تمنا عمادی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین وسلم علی المرسلین لا سیما علی خاتم النبیین و علی الہ وصحبہ اجمعین۔

# مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے میرے اور سارے عالم کے رب! تو نے سارے جن و انس کو پیدا کیا' تو نے ان سب کی ہدایت کے لئے انبیاء و مرسلین بھیجے' تو نے ان پر اپنی کتابیں اتاریں' تو نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کا سامان کر دیا' اگلے انبیاء و مرسلین کے بعد آخری رسول خاتم النبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید اتار کر تو نے نبیوں کے بھیجنے اور کسی اور کتاب کے اتارنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری کتاب قرآن مجید کی پوری تعلیم کرکے ایک بڑی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تیار کر دی اور قرآنی تعلیم کے مطابق دین حق کا ایک واضح اور روشن راستہ قائم کر دیا جس پر تا حیات وہ خود بھی چلتے رہے اور اپنے پیچھے پیچھے اپنے صحابیوں کو بھی چلاتے رہے۔ اسی راستے کا نام تو نے "سبیل المومنین" رکھا اور صاف طور سے قرآن مجید میں تو نے فرما دیا ومن یشاقق الرسول من بعد

ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم و سائت مصیرا۔ جس نے اس رسول سے علیحدگی اختیار کی باوجود اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہے اور "سبیل المومنین" (ان ایمان والوں کی راہ) کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کی تو وہ جدھر جا رہا ہے ہم اس کو اسی طرف دھکیل دیتے ہیں اور (مرنے کے بعد) اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے" تو نے اس آیت کریمہ میں المومنین پر عہد کا الف لام لگا کر یہ بھی بتا دیا کہ وہی مومنین کاملین السابقون الاولون من المہاجرین والانصار رضی اللہ عنہم مراد ہیں جن سے تو راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی رہے اور جن کے اتباع بالاحسان پر تیری رضامندی موقوف ہے۔ یعنی جو لوگ ان کا اتباع نہیں کرتے تو ایسے لوگوں سے کبھی راضی نہ ہوگا۔ اسی لئے تیرے رسول نے بھی اپنی امت کے ایک فرقے کے سوا سب فرقوں کو دوزخی قرار دیا۔ پوچھنے والوں کو بتا دیا کہ نجات پانے والا کامیاب فرقہ وہی ہوگا جو اس طریقے پر چلے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں اور اے رب العالمین خود تو نے بھی قرآن مجید میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ایمان کے متعلق صاف فرما دیا صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے کہ فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا ط وان تولوا فانما ھم فی شقاق ج۔"

"تو اگر وہ لوگ اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا ایمان تم لوگ رکھتے ہو تو البتہ ان لوگوں نے ہدایت پالی' ورنہ وہ مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں" (بقرہ آیت ۱۳۷)

اے اللہ تو نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرما دیا کہ "ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی" اے رسول! جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی پیدا کرلی' اور پارٹی پارٹی ہوگئے' تم کو ان سے کسی بات میں بھی کوئی سروکار نہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مسلمانوں نے بھی جو شیعہ' سنی' حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' صوفی' اہل حدیث وغیرہ کی فرقہ بندی پیدا کر کے پارٹی پارٹی اپنے کو بنا لیا ہے

اس کے باعث ان سب فرقوں کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ گیا ہے' اے اللہ ! تیری پیشن گوئی کیسی سچی اتری کہ آج جس فرقے کے لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پیش کی جائیں اگر ان کے مسلک کے موافق وہ آیت نہیں ہوتی تو وہ کبھی نہیں مانتے۔ وہ اپنے مسلک کے موافق قرآن مجید کی آیتوں کے خلاف عجمی منافقین و ملاحدہ اور گمراہ مذہب والوں کی من گھڑت روایتوں کا اور اپنے فرقے کے علماء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کا اتباع کرتے ہیں اور قرآن مجید کی صریح آیتوں کی سیاق عبارت اور اکثر قواعد صرف و نحو و اصول ادب عربی کے خلاف تاویلیں کرکے اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں اور اس طرح وہ قرآن مجید کو ان من گھڑت روایتوں کا تابع بنا کر رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا رشتہ ایمان قرآن مجید کے ساتھ قائم نہیں رہتا اور جب قرآن مجید کے ساتھ ان کا رشتہ باقی نہ رہا تو قرآن مجید کے لانے والے رسول صلعم کے ساتھ کب باقی رہا۔

اے رب العالمین ! تو ہر دل کی ہر چھپی سے چھپی بات کو جانتا ہے تو اس کا گواہ ہے کہ میں سنت رسول کو دین میں حجت و سند سمجھتا ہوں اور جتنا بھی تونے مجھ کو علم دیا ہے سنت نبوی سے دین کی کسی بات میں حتی الوسع انحراف نہیں کرتا اور جو شخص سنت نبوی کے اتباع کا منکر ہو میں اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ مگر ہر وہ قول جو حدیث رسولؐ کہہ کر روایت کر دیا گیا ہو وہ سنت رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ تو خوب جانتا ہے کہ تیرے رسولؐ نے خود فرما دیا تھا کہ تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب اللّٰہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ'' میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی' اس لئے جو قول میری طرف منسوب کرکے تمہارے سامنے روایت کیا جائے اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کرو' جو کتاب اللہ کے خلاف ہو' اس کو رد کر دو'' اور یہ ایسی صحیح حدیث ہے کہ اہل سنت کی بھی کتابوں میں منقول ہے اور شیعوں کے یہاں بھی تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ مروی ہے۔ مگر ایک مدت دراز سے لوگ کتاب اللہ کے سامنے حدیثوں کو پیش نہیں کرتے بلکہ

محض رفع الزام کے لئے کبھی کبھی حدیثوں کے سامنے کتاب اللہ کو پیش کر دیتے ہیں اور لوگوں کی من گھڑت حدیثوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتوں میں لفظی و معنوی تحریفیں کیا کرتے ہیں۔

اے رب العالمین! تو جانتا ہے کہ آج سے تقریباً چالیس سال پیشتر سورہ نساء کی دوسرے رکوع کی تفسیر جلسہ قرآن میں بیان کرنے کے وقت وراثت کی آیتوں پر غور کرنے کے لئے تفسیر کی کتابیں دیکھ رہا تھا تو سورہ نساء کی بارھویں آیت میں جو تو نے فرمایا ہے وان کان رجل یورث کللتہ و امراۃ ولہ اخ اواخت فلکل واحد واحد منھما السدس۔ "اور اگر کوئی مرد لا ولد ہو کر مورث ہو یا کوئی عورت اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے جو بھی ہو اس کے لئے میراث کا چھٹا حصہ ہے" اس آیت کی تفسیر میں ہر مفسر کو اخ او اخت کے بعد "من ام" اور بعضوں میں لام کا لفظ لکھا نظر آیا اور پھر مفسرین نے یہ روایت بھی لکھی کہ حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں یہاں پر "من ام" کا لفظ تھا بھی اور وہ اس آیت کو من ام کے ساتھ ہی پڑھتے تھے' یعنی وہ بھائی یا بہن سوتیلے ہوں ماں کی طرف سے مرنے والے مورث اور اس بھائی یا بہن کے باپ دو ہوں مگر ماں ایک ہو جس کو اخیافی" کہتے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جو قرآن کا نسخہ تھا وہ صحیح نسخہ تھا ان کے سوا جس کے پاس بھی قرآن کے نسخے تھے وہ سب ناقص تھے اور آج تک سارے قرآن ناقص ہیں اور حضرت ابی بن کعب کے سوا سب کے سب ناقص قرآن ہی پڑھتے رہے۔ خدا جانے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کس طرح پڑھتے تھے اور وہ بھی فتویٰ حضرت ابی بن کعب ہی کے قرآن کے مطابق دیا کرتے تھے یا اپنے قرآن کے مطابق۔

اے ہر کھلی چھپی بات کے جاننے والے رب العالمین! تو اس کا گواہ ہے کہ میرے دل کو سخت بے چینی تھی۔ صبح کے ناشتے چائے کے بعد سے کتابیں دیکھ رہا تھا' سوچ رہا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس تفسیر کو کس طرح صحیح

مانوں' آخر ظہر کا وقت جب ہوا تو قرآن مجید اور تفسیریں بچ کر اٹھا تو فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ یہ اس کی کتاب ہے۔ اس کی دشواری کو اللہ تعالیٰ ہی حل کر سکتا ہے' بس دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو لئے گھر کے اسی دالان میں جو بیتی مسجد کے طور پر تھا پہنچا اور روتا ہی اپنی جانماز پر کھڑا ہوا' دعا کی کہ اے اللہ میرا ایمان اس کو قبول نہیں کرتا کہ یہاں پر من ام یا لام کا لفظ چھوٹا ہوا ہے تو حقیقت حال ہم پر واضح کر دے اور اپنے کلام کا صحیح مطلب ہم کو سمجھا دے' اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اس وقت سنت و فرض کس عالم میں ادا کی تھی اور اے میرے رب! تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا تو میری ساری مشکل حل تھی۔ ابھی اس دالان سے باہر وہاں پہنچا بھی نہ تھا جہاں سے اٹھ کر نماز کے لئے آیا تھا تو نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ من ام یا لام کا اضافہ منافقین عجم کا افتراء ہے اور یہاں بھائی بہن کا حصہ باپ ماں کے ہوتے بیان کیا گیا ہے اور آخر سورہ نساء میں جو بھائی بہن کے حصے ہیں وہ ایسی صورت میں کہ میت کے نہ اولاد ہوں نہ والدین۔ اور کلالہ کی یہ تعریف کہ جس میت کے نہ اولاد ہو نہ والدین غلط ہے' کلالہ صرف لاولد میت کو کہتے ہیں اور ایسے وارث کو کلالہ کہتے ہیں جو میت کی نہ اولاد ہو نہ والدین میں سے کوئی ہو۔ بھائی بہن کی وراثت کو خاص طور سے وراثت کلالہ کہتے ہیں۔

اے رب العالمین! تو عالم الغیب اور علیٰ کل شئی شہید ہے' تو جانتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کلالہ کے معنی اور آیت وراثت کی تفسیر پر پوری کتاب بڑی محنت سے محض تیری ہی توفیق کی بدولت لکھ ڈالی اسی ضمن میں قانون حجب (حاجب و محجوب ہونا) پر بھی پوری روشنی پڑ گئی۔ چونکہ علماء و فقہاء باپ کے ہوتے بھائی بہن کو محجوب قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں یتیم پوتا پوتی وغیرہ کی وراثت کے واضح دلائل بھی خود بخود مہیا ہو گئے اور ایک مدت تک میرا مسودہ متعدد علماء کے مطالعے میں رہا۔ مگر کسی سے میری کتاب کا جواب نہ ہو سکا۔

اے رب العالمین! مگر تو نے اپنی خداوندی مصلحت سے مجھ کو ذاتی

ضروریات سے زیادہ مال نہیں دیا کہ میں اس کتاب کو چھپواتا۔ اس لئے وہ کتاب اب تک مسودے ہی کی شکل میں میرے پاس پڑی ہے اور یقین ہے کہ میرے بعد کیڑوں کی خوراک بن جائے گی۔ شاید تیری یہی مرضی ہو کہ مسلمانوں نے جب فرقہ بندی اختیار کرکے قرآن مجید سے اپنا رشتہ توڑ لیا تو انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں جو ان کی خود پیدا کی ہوئی ہیں۔ اگر کسی قدر اصلاح کی طرف آئیں بھی تو غلط راستے سے۔ چنانچہ یتیم پوتوں' پوتیوں پر ترس کھاکر ان کو حصہ دلانے کی کوشش کی مگر ترس کھاکر جذبات کے ماتحت تو کسی مسئلے پر غور کرنا صحیح نہیں۔ ہر طرح کے جذبات سے خالی ہو کر نفس آیات قرآنی کے پیش نظر غور کرنا چاہئے۔ اس لئے ان لوگوں نے باپ کے ہوتے بھائی بہن کو حصہ نہیں دلوایا۔ حالانکہ قرآن مجید یتیموں کو بھی حصہ دلوا رہا ہے اور باپ ماں کے ہوتے بھائی بہن کو بھی۔ قرآن کا اتباع مقصود ہوتا تو یتیموں کی طرح بھائی بہن کو بھی حصہ دلواتے۔ صرف جذبات ترحم کا اتباع کیا گیا اس لئے جن پر ترس آیا ان کو حصہ دلوایا۔ جن پر ترس نہیں آیا ان کو حصہ نہیں دلوایا۔

○○○

# کلالہ کے بعد حلالہ

اے رب العالمین! تیرے سوا میں کس کو شہادت میں پیش کروں تو نے خود فرمایا ہے وکفی باللہ شہیدا اللہ گواہی کے لئے بہت کافی ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ سالہا سال سے تلاوت میں یا تفسیر کے جلسوں میں یا کتاب الطلاق کی تصنیف کے وقت اور پھر اس پر دوبارہ سہ بارہ اور چار بارہ نظر ثانی کے وقت مجھ کو ہمیشہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۰ کا ابتدائی حصہ فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ط کھٹکتا رہا کہ اس فان طلقها کا عطف جو مفسرین الطلاق مرتان پر کرتے ہیں اور فان طلقها کے بعد لکھ دیتے ہیں ای طلقتہ ثالثہ یہ کس بنیاد پر؟ اور جو پھر بھی بات بنتی نظر نہیں آتی تو فرماتے ہیں کہ فان طلقها پر (ف) تفسیر کے لئے آئی ہے اور یہ جملہ تفسیر ہے اور تسریح باحسان کی سارے فقہاء سارے مفسرین ' سارے ائمہ مجتہدین اور سارے محدثین یہی فرما رہے ہیں۔ کسی فرقے کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے اپنی جہالت کا اعتراف کرکے رہ جاتا تھا اور جس کو جمہور کہتے آرہے ہیں ایک ہزار برس سے امت کا جس پر اجماع ہے اسی کو کرہا و جبرا" صحیح سمجھ کر تفسیر کے جلسوں میں بیان کرتا رہا اور اپنی کتاب میں بھی لکھا۔ ہر بار کی نظر ثانی میں یہ کھٹک محسوس ہوئی مگر ہزار سالہ جمہور امت کا اجماع سامنے آکر ڈراونی شکل میں کھڑا ہو جاتا تھا اس لئے ہیبت سے کچھ سوجھتا نہ تھا۔

اے رب العالمین! تو اس کا گواہ ہے کہ میں قرآن مجید کے مقابل کسی بڑی سے بڑی چیز کی بھی کچھ اہمیت نہیں سمجھتا۔ لیکن اس خوفناک اجماع کا رعب

ایسا چھایا ہوا تھا کہ سامنے کا لفظ مجھ کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ یکایک جب اپنی کتاب الطلاق پر پانچویں بار نظر غور ڈالی تو تیری ہی طرف سے میری شرح صدر ہو گئی اور اچانک ایسا معلوم ہوا کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی تھی جو فان طلقھا (تو اگر اس نے اس کو طلاق دے دی) کا فاعل و مفعول مجھ کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پٹی کسی نے کھول دی اور مجھ کو اس لفظ کے پہلے سامنے ہی اس کے فاعل و مفعول نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیا کہ فان طلقھا کے معنی یہ ہیں کہ تو اگر اس بیوی سے مال لے کر طلاق دینے والے یعنی خلع کرنے والے شوہر نے اس مال دے کر طلاق خریدنے والی یعنی خلع کرانے والی بیوی اس خلع کرنے والے شوہر کے مال لینے کے بعد اس کے لئے حلال نہ رہے گی جب تک وہ اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ اس کے بعد جو اوپر سے ملاکر غور کیا تو پہلی صورت میں جو نحوی مسلمہ قواعد اور ادبی مسلمہ اصول کی مخالفتیں نظر آرہی تھی اور عبارت میں الجھاؤ نظر آرہا تھا سب دور ہوگیا۔ اس کے بعد تصحیح خیال کے لئے اپنے دستور کے مطابق بعض مخلص علماء سے تبادلہ خیالات کئے' بحثیں ہوئی۔ سب نے اس کی تصدیق کی کہ جو تفسیر تم پیش کرتے ہو وہ ہر خلش سے پاک ہے اور ہر طرح صاف اور واضح ہے اس میں شک نہیں۔ مگر وہی جمہور امت کے ہزار سالہ اجماع کا پہاڑ ان کے بھی سامنے تھا۔ مگر میرے سامنے سے تو وہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح پاش پاش ہوکر اڑ چکا تھا محض تیری توفیق اور تیری تائید کی بدولت تیرا وعدہ ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے رہیں گے ہم ان کو اپنی راہیں دکھاتے رہیں گے" اے میرے رب تو جانتا ہے کہ پچاس برس سے زیادہ کی مدت ہوگئی کہ باوجود ہر طرف کی مخالفتوں کے صرف تیری رضا طلبی کے لئے تیرے دین تیری کتاب کی خدمت کر رہا ہوں اور اس کے سوا میرا کوئی اور مستقل کام نہیں ہے اور کسی دوسرے سے اس دینی خدمت کا میں نے کبھی کوئی معاوضہ نہیں طلب کیا۔ حیدر آباد دکن کی حکومت آصفیہ مرحومہ کی طرف سے جو سو روپے ماہانہ کا وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا تو یا اللہ تو خوب جانتا ہے کہ

میں نے اس کے لئے کوئی درخواست نہیں دی تھی نہ کسی کو سفارش کے لئے کہا تھا۔ مجھ کو گھر بیٹھے اچانک تار کے ذریعے فخر صوبہ بہار (انڈیا) عزیز قوم مسٹر سید عبدالعزیز مرحوم نے جو وہاں صدر المہام قانون امور مذہبی تھے' خبر دی کہ انکی سفارش سے آپ کے لئے سو روپے ماہانہ کا وظیفہ بسکہ انگریزی حکومت آصفیہ کی طرف سے مقرر ہوگیا ہے جو میری ہجرت کے بعد ڈھاکہ میں سقوط حکومت حیدر آباد تک مجھ کو ملتا رہا منی آرڈر کی آمدورفت جب ہندوستان و پاکستان کے درمیان بند ہوئی تو اس وظیفے کا آنا بھی موقوف ہوگیا۔ اور پھر وہ محکمہ امور مذہبی ہی وہاں ختم کر دیا گیا جس محکمے سے وہ رقم آتی تھی ۔

اے داغ ! اہل قلعہ کا لٹنا تو در کنار — تنخواہ بھی خزانہ شاہی میں رہ گئی

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اظہار افسوس حکومت آصفیہ پر ہے' وظیفے کی موقوفی پر نہیں)

اے رب العالمین ! میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ تیرے حکم کی تعمیل ہے تو نے فرمایا ہے واما بنعمتہ ربک فحدث اور اپنے رب کے احسانوں کا ذکر کرتے رہو'' اور اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ میں خواہ مخواہ جمہور امت اور ہزار سالہ اجماع کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں نہ اس کو اپنے لئے باعث شہرت و نام و نمود سمجھتا ہوں۔ اسی لئے اے اللہ تجھ کو صرف تجھی کو گواہ رکھ کر تیرے ہی سامنے عرض کر رہا ہوں کہ میرا مقصود صرف حق کو حق ثابت کرنا اور باطل کو باطل ثابت کرنا ہے۔ ورنہ اگلے مفسرین و محدثین و مجتہدین رضی اللہ عنہم سب کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں وہی لوگ تو میرے استاد ہیں' انہیں کی کتابیں پڑھ کر تو قرآن و حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت مجھ میں آئی ہے' صحیح و غلط حدیثوں کو میں جانچتا اور پرکھتا ہوں تو انہیں محدثین کے بنائے اور بتائے ہوئے اصول کے مطابق قرآن مجید کو سمجھتا ہوں تو انہیں بزرگوں کی لغت و صرف و نحو و معانی و بیان کی کتابوں کی بدولت اس لئے لکاتبہ غفرلہ۔

بندہ ہمت و اسلافم و آن سفلہ نیم — کہ خورم من نمک و باز نمکدان شکنم

مگر ایمان رکھتا ہوں قرآن مجید پر' قرآن مجید کے خلاف میں دس ہزار برس کے بھی متفق علیہ اجماع کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگلے بزرگوں کا احترام ہم پر واجب ہے مگر تلک امتہ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانو یعملون○ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے اعمال ان کے لئے' تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ان کے اعمال تم سے نہیں پوچھے جائیں گے۔ جب اے رب العالمین تو نے خود یہ فرما دیا ہے تو ہم تیری کتاب کے سیاق و سباق کے خلاف کس طرح اگلے بزرگوں کی طرف منسوب اقوال کو صحیح سمجھ لیں اور ان کا اتباع کریں۔

اے اللہ ! ہمارے سامنے تیرے رسول موجود نہیں کہ ان سے پوچھ لیں۔ تیرے رسول کے وہ صحابہ موجود نہیں جن کے اتباع پر تیری رضامندی موقوف ہے کہ ان سے دریافت کرلیں ان سابقوں اولون کے تابعین باالاحسان بھی موجود نہیں کہ ان سے حقیقت امر کا پتا لگالیں یہاں تک کہ وہ محدثین و مجتہدین و مفسرین بھی موجود نہیں کہ ان سے باادب عرض کریں کہ حضور نے قرآن مجید کے سیاق عبارت اور اصول ادب عربی کے خلاف فلاں آیت کے معنی اس طرح کس قرآنی بنیاد پر لکھ دیئے؟ ایسی حالت میں اے رب العالمین جب صرف لکھی ہوئی کتابوں ہی پر ایمان لانا ہے تو ہم لوگ تو تیرے بندے ہیں تیری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سارے تابعین اور سارے اتباع تابعین اور سارے مفسرین و محدثین و مجتہدین کا ایمان تیری ہی کتاب پر تھا تو پھر جب کتابوں ہی پر ایمان لانا ہے تو تیری کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں پر کس طرح بلاچون و چرا ایمان لے آؤں' خصوصاً جب ان میں بعض باتیں تیری کتاب قرآن مجید کے صراحتاً خلاف مجھ کو نظر آرہی ہیں اور جو باتیں خلاف نظر آرہی ہیں ان کو آنکھیں بند کرکے کس طرح قرآن مجید

کے مطابق فرض کر لوں۔ اس لئے میں کلالہ والی کتاب تو تیری توفیق کی بدولت لکھ چکا ہوں اب یہ کتاب حلالہ پر لکھ رہا ہوں۔ اب تجھ کو اختیار ہے اس کتاب کو بھی مسودے ہی کی شکل میں میرے بعد تک رکھ دے یا کیڑوں کی خوراک بنادے یا دونوں کی یا کم سے کم اس کی اشاعت کا کوئی سامان کر دے۔ تیری مصلحت خداوندی کا اب جو تقاضا ہو میں محض تیری رضا طلبی کے لئے تیرے دین کی خدمت سمجھ کر اس ۸۷ سالہ ضعیفی کی عمر میں تقریباً تین برس سے شب بھر سوتا نہیں ہوں اور رات بھر باوجود ضعف بصارت کے لکھتا ہی رہتا ہوں۔ پوری کتاب الطلاق بھی تقریباً مکمل ہوچکی ہے مگر یہ رسالہ صرف حلالہ کے متعلق تیرے حضور میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ اس کی تصنیف کا مقصد صرف تیرے دین کی خدمت اور صرف تیری رضا ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم تیرا کمترین سے کمترین بندہ
تمنا عمادی غفرلہ

۔ تو اگر اس نے اس کو طلاق دی تو وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی جب تک اس سے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ " مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد تیسری طلاق اور ابن فلاح کا عطف بالکل قریب کا لفظ چھوڑ کر چھپن لفظ اوپر الطلاق مرتان پر کرتے ہیں اور ثابت کرنا چاہتے کہ وہ طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔ مگر یہ مطلب عربی ادب کے قواعد کے رو سے نہیں نکل سکتا جس کی بحث آگے آے ں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والسلام علی المرسلین لا سیما علی خاتم النبیین و علی الہ و اصحابہ و اھبیتہ اجمعین۔

* * * * * * * * * *

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمتہ انک انت الوھاب○ اللھم ربنا ارنا الحق حق وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ولا تجعلنا کالذین اتخنوا احبارھم ورھبانھم اربابا" من دون اللہ ولا تجعلنا کالذی اتحذ الھہ ھوہ واضلہ اللّٰہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ اللھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ط ولا تجعل فی قلوبنا غلّا للذین امنوا○

----- ربنا انک رؤف الرحیم

"اے ہمارے رب تو نے ہم لوگوں کی ہدایت کا سامان مہیا کر دیا ہے تو اس کے بعد ہم لوگوں کے دلوں کو کجروی کی طرف مائل نہ ہونے دے اور ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما تو بہت بڑا داتا ہے' اے ہمارے اللہ ! اے ہمارے رب ! حق بات ہو تو ہمیں سمجھا دے کہ یہ حق ہے اور ہم لوگوں کو اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل بات ہو تو ہمیں سمجھا دے کہ یہ باطل ہے اور ہمیں اس سے بچے رہنے کی ہمت عطا کر اور ہم لوگوں کو ان لوگوں جیسا نہ بنا دے جنہوں نے اپنے فقہاء اور مشائخ کو اپنا رب بنالیا اور نہ اس جیسا بنا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے تو (پھر) باوجود علم رکھنے کے (جب وہ گمراہی ہی کی طرف چلا تو) اللہ نے اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا اور اس کی سماعت و قلب پر (گویا) مہر لگادی (کہ نہ حق بات سنے نہ سمجھے)۔ اے ہمارے رب! ہم لوگوں کو بخش دے اور

ہم لوگوں پر جو لوگ ایمان میں سبقت لے گئے ان سب کو بخش دے' اور ہم لوگوں کے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کھوٹ نہ پیدا ہونے دے' اے ہمارے رب تو بڑا مہربان بڑا رحیم ہے"۔

# اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون○ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون○ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون

اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اس کے مطابق جو لوگ (حقوق و معاملات کا) فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں' ظالم ہیں' فاسق ہیں۔ (سورہ مائدہ آیات نمبر ۴۴'۴۵'۴۷ رکوع ۷)

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون○

جو واضح حقیقتیں اور ہدایت کی باتیں ہم نے اتاری ہیں سارے لوگوں کے لئے اس کتاب میں ان کو بیان کر دیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ ان (واضح حقیقتوں اور ہدایت کی باتوں کو دوسروں سے) چھپاتے ہیں' اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سارے لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (سورۃ بقرآیت نمبر ۱۵۹ رکو ۱۹)

# معذرت

من نہ چیزے دگرے ای علمای پرسم
امر دینے است کہ از بہر خدا می پرسم

آنچہ پرسند عجز شما ازرہ زجر
من ہماں با ادب اکنون زشمای پرسم

---------

اے اہل بزم رنج مگیرید زیں فغاں
کم بود ذوق نغمہ نوا تلخ ترزدم

# حضرات علمائے کرام سے التجاء

مجھ کو اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے' اس لئے بخوبی ممکن ہے کہ میں شیطانی وسوسے کے باعث جہل مرکب میں مبتلا ہو گیا ہوں اور قرآنی آیات کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کر رہا ہوں۔ اگر آپ کے نزدیک ایسا ہی ہے تو للہ میری دستگیری فرمائیے اور مجھ کو گمراہی سے بچائیے۔ یہ میں تصنع سے نہیں کر رہا ہوں و کفی باللہ شہیدا آپ حضرات میں جو بزرگ بھی میری معروضات کے متعلق جو کچھ فرمائیں گے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ آپ کے ارشادات کو نہایت ٹھنڈے دل سے بڑی مسرت کے ساتھ پڑھوں گا اور ایمان و دیانت کے ساتھ ان پر غور کروں گا۔ اگر میرے شبہات رفع ہو گئے اور میرے اعتراضوں کا آپ نے معقول جواب دے دیا تو کبھی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لوں گا اگر میں ہٹ دھرمی سے کام لوں تو میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوں گا۔

اور اگر آپ حضرات نے میری معروضات کی طرف توجہ نہ کی یا پڑھنے کے بعد بالکل خاموشی اختیار کرلی یا تھوڑا سا پڑھ کر ڈال دیا' یا مجھ کو منکر حدیث و منکر سنت وغیرہ قسم کے الفاظ سے تنابز بالالقاب کرنے لگے تو پھر صفحہ ۲ دوم پر کی مذکورہ آیتیں آپ کے سامنے ہیں۔

من نگویم کہ این مکن آن کن

آئندہ کسی صفحے پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اگر ان اصول ہی میں کسی اصل سے آپ کو اختلاف ہو تو اس اختلاف کو دلائل واضح کے ساتھ تحریر فرمایئے اور باقی جن اصولوں سے آپ کو اتفاق ہو انہیں کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق جوابات دیجئے۔ متقدمین کے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ فرمایئے' نفس آیات پر غور فرمایئے۔ بالکل خالی الذہن ہوکر حکیم سنائی کا یہ شعر ذہن میں رکھتے ہوئے۔

عروس معنی قرآن نقاب آنگہ بر اندازد
کہ خلوتخانہ دل را مجرو سازی از غوغا

میری گذارش مسلمانوں کے سارے فرقوں کے علمائے کرام سے ہے چاہے سنی ہوں یا شیعہ' حنفی ہو یا شافعی' مالکی ہوں یا حنبلی' صوفی ہوں یا اہل حدیث اور صرف مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل علماء ہی میرے مخاطب نہیں ہیں۔ ماہر عربی پروفیسر صاحبان اور دوسرے حضرات بھی میرے مخاطب ہیں۔ جس عربی دان قرآن مجید سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والے کو میرا یہ رسالہ ملے وہ میرا مخاطب ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ میرے اس رسالے کو پڑھ کر اپنی ایمان دارانہ رائے سے اللہ سے ڈرتے ہوئے باز پرس آخرت کا خوف کھاتے ہوئے مجھ کو بذریعہ ڈاک مطلع کردے یا کسی اخبار یا رسالے میں اگر بھیجی ہو تو وہ اخبار یا رسالہ میرے پاس ضرور بھیج دیں۔

مدیران اخبارات و رسائل سے بھی عاجزانہ التجا یہ ہے کہ ان کی

ہے اور جس پرچے میں وہ خود کچھ اس رسالے پر لکھیں یا کوئی دوسرا لکھے وہ پرچہ ازراہ کرم میرے پاس ضرور بھیج دیں کہ مجھ کو اس پر غور کرنے کا موقع ملے۔ و اجرکم علی اللہ ---- والسلام

المستدعی
تمنا العمادی المجیبی غفرلہ
۶۴ عبدالعزیز لین - چیل
خانہ
ڈھاکہ نمبر۹
مشرقی پاکستان
۱۰ اکتوبر ۶۳ء

# یہ شکست خوردہ طریق استدلال مقتضائے دیانت نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیا ضمیر کا مرجع ضمیر سے کبھی بہت دور واقع نہیں ہوتا ہے؟ کیا اسم اشارہ کا مشار الیہ اس سے کبھی بہت پہلے نہیں آتا ہے؟ کیا عہد کا معہود ذہنی کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ مابعد کی تصریحات سے سمجھا جائے؟ کیا اسم تفضیل کبھی مفہوم تفضیل سے معری نہیں ہوتا؟ وغیرہ ذالک من التاویلات الرکیکتہ الضعیفتہ

بے شک یہ سب ہوتا ہے مگر۔

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

مرجع ضمیر قریب میں نہ ملے گا تو اس کے کھوج میں دور جانا ہی پڑے گا۔ جہاں تک دور جانا پڑے مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک مرجع یا مشار الیہ یا معہود سامنے موجود ہے یا قریب ہی میں ہے' اس کو چھوڑ کر ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں کی مثل کو عملاً" پورا کر دکھایا جائے۔ وہ بھی جو مفہوم قریب سے پیدا ہو رہا ہے اس سے متغائر کوئی دوسرا مفہوم پیدا کرنے کے لئے اسی طرح اسم تفضیل مفہوم تفضیل ہی کے لئے وضع ہوا ہے۔ وہیں وہ مفہوم تفضیل سے معریٰ سمجھا جائے گا۔ جہاں مفہوم تفضیل عقلاً مراد نہ لیا جا سکتا ہو معہود فی الخارج موجود ہو تو اس کو چھوڑ کر کسی ایسے معہود کو معہود ذہنی بتانا جو نہ متکلم کے ذہن میں قبل سے موجود و مقصود ثابت کیا جا سکے نہ سامع کے ذہن میں ہو بعد والے کسی لفظ کے قرینے سے فقط ثابت کیا جائے ایسا کیوں ہو اور معہود ذہنی میں لفظ مذکور جس پر الف لام آتا ہے عام ہوتا ہے اور معہود اس کا کوئی خاص فرد یا کچھ خاص افراد یہاں تو دونوں ایک

ہی ہیں یہاں تو اساکی یعنی رجعی طلاق کے سوا پورے قرآن میں کسی بائنہ یا مغلظ طلاق کا ذکر ہی نہیں۔ پھر الطلاق میں عہد ذہنی رجعی رافضی کے ذریعے جو پیچھے بھاگے وہی طلاق مراد لینا جو پہلے مذکور ہے سعی لا حاصل ہے۔

اس لئے اس طرح کی ضعیف و رکیک بلکہ مدقوق تاویلوں سے کام نہ لیا جائے۔

ذوالفقار حیدری کے سامنے
کاٹھ کی تلوار تو لے کر نہ آ

# ہزار سالہ اجماع امت

مجھ کو مسلمانوں کے سارے فرقوں کے آئمہ و مجتہدین و محدثین و مفسرین و فقہاء و علماء کے ہزار سالہ اجماع سے مرعوب کیا جاتا ہے۔ بے شک یہ ہزار سالہ اجماع امت ایک ایسی اہم چیز ہے جس سے ہر مسلمان مرعوب ہو جائے مگر جس مسلمان کے سر پر قرآن مجید کا دست حمایت ہو وہ ایسے ہزار سالہ دس ہزار اجماع امت سے بھی مرعوب نہیں ہو سکتا۔ ہزار سالہ اجماع امت کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے سامنے سن کھ ہو کر آئے۔ اجماع تو کسی حکم ظنی کو قطعی بنا دینے کے لئے ہوتا ہے جہاں کوئی قطعی حکم نہ ہو۔ نہ کہ قطعی حکم کی مخالفت کے لئے، قرآن مجید نے تو فرمایا ہے ولا تکونوا من المشرکین ۝ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا ط کل حزب بما لدیھم فرحون ۝ تم لوگ مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی پیدا کر لی اور گروہ گروہ ہو گئے جس گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے (روم آیت ۳۳ رکوع ۱۴) باوجود ایسی سخت ممانعت کے اور باوجود اس سخت دھمکی کے ساتھ ممانعت کے باوجود فرمایا گیا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم ط اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقے فرقے ہو گئے اور (باہمی) اختلافات میں پڑے، باوجود اس کے کہ ان کے پاس کھلی کھلی ہدایتیں آ چکی تھیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے (آل عمران ۱۰۴) مگر ایک ہزار برس سے پوری امت فرقہ بندی اور باہمی اختلاف عقائد و عبادات پر اجماع کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ اختلاف امتی رحمنہ کی ایک جھوٹی حدیث گھڑ کر سند میں پیش کر دی کہ اگلی امتوں کے لئے فرقہ بندی و باہمی اختلاف باعث عذاب عظیم تھی۔ مگر امت محمدیہ کے لئے رحمت ہے۔ حالانکہ امت محمدیہ ہی کو مخاطب کر کے قرآن مجید

میں فرمایا گیا ہے ولا تکونوا من لمشرکین ۔ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا‘‘ مسلمانوں ہی سے خطاب کرکے فرمایا گیا ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا اس لئے قرآن مجید کی صریح آیتوں کے خلاف ہزار سالہ اجماع کی کوئی اہمیت نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر ایسے دس ہزار بھی ہزار سالہ اجماع دکھائے جائیں جو قرآنی آیات صریحہ کے خلاف ہوں تو وہ سارے کے سارے ہزار سالہ اجماع سرپائے حقارت سے ٹھکرا دیئے جائیں گے اور ایسے مواقع میں صرف قرآن مجید کا اتباع کیا جائے گا' اور سنت ثابتہ قرآن مجید کے مطابق ہو اسی کی پیروی کی جائے گی۔

**باقی رہیں حدیثیں** تو سنی شیعہ دونوں کی مستند حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تکثرلکم الاحادیث بعدی فماروی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافقه فاقبلوہ وما خالفه فردوہ‘‘ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث بھی میری طرف نسبت کرکے تمہارے سامنے روایت کی جائے اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ اس کو رد کردو۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہوگا دینی باتوں سے متعلق یا جو کام بھی دین کا کیا ہوگا۔ زن و شو کے درمیان جھگڑوں میں یا اور کسی معاملے میں جو فیصلہ بھی کیا ہوگا وہ قرآن مجید کے مطابق ہی کیا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن مجید نے جس کو حلال قرار دیا ہو آپ نے اس کو حرام بتایا ہو یا جس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہو اس کو آپ نے حلال قرار دیا ہو آپ کو حکم تھا فذکر بالقران من یخاف وعید ○ ان لوگوں کو نصیحت کرو' اس قرآن کے ذریعے ان کو جو میری دھمکیوں کا خوف رکھتے ہیں (آخر سورہ قاف) اللہ تعالٰی نے جن احکام کو قرآن مجید میں بیان فرما کر ان کو حدوداللہ قرار دیا ہے اور ان حدود کے توڑنے والوں کو ظالم

قرار دیا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہی ان حدود کو نعوذ باللہ توڑ دیں گے جن پر یہ قرآن اترا ہے؟ اور جو اسی قرآن کریم کی تعلیم و تبلیغ و تبین کے لئے مبعوث ہوئے تھے؟ مالکم؟ کیف تحکمون؟

**میں منکر حدیث نہیں** میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین میں حجت سمجھتا ہوں۔ اتباع سنت نبوی کو بلکہ اتباع سنت مہاجرین و انصار رضی اللہ عنھم تک کو فرض عین سمجھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر اتباع رسول کے کوئی اتباع قرآن مجید نہیں کر سکتا اور نہ کوئی شخص بغیر اطاعت رسول کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکتا ہے من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ

**مگر ہر حدیث سنت نہیں** میں قرآن مجید کی کسی آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتا، مگر بہت سی حدیثیں ضرور منسوخ ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۸ سے ۲۳۱ تک کے نزول سے پہلے جاہلیت کے قدیم رواج کے مطابق صحابہ میں بھی تین طلاقوں کا رواج ہوگا۔ بخوبی ممکن ہے کہ اس زمانے کے بعض واقعات حدیثوں میں مروی ہوں جبھی تو قرآن مجید میں الطلاق مرتان فرما کر تین طلاق کے رواج کو منسوخ کر دیا گیا۔ تو جب قرآن مجید میں دو طلاقوں کی تعین کرکے حد بندی کر دی گئی تو یقیناً اس آیت کے نزول کے بعد پھر کسی نے تین طلاق کبھی نہ دی ہوگی اور اگر بھول کر کسی نے تین طلاق دے دی ہوگی اور اس کی خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوگی تو آپ نے اس پر ضرور اس تین طلاق دینے والے کو تنبیہہ فرمائی ہوگی جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم؟ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ درحالیکہ میں تم لوگوں کے سامنے موجود ہوں؟ یہ کہنا کہ اس شخص نے تین طلاق بیک وقت دے دی تھی اس لئے آپ نے ایسا فرمایا صحیح نہیں کیونکہ قرآن مجید میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ الطلاق مرتان فرما کر حد بندی کر دی گئی۔ اس لئے یقیناً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے کے برابر قرار دیا۔ محدثین خود مانتے ہیں کہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں برابر اور عہد فاروقی میں بھی دو سال تک تین طلاقیں رجعی قرار دی جاتی تھیں۔ یعنی تیسری طلاق لغو مہمل قرار دی جاتی تھی۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو سال کے بعد جب دیکھا کہ لوگ تین طلاق دینے کی عادت نہیں چھوڑتے ہیں تو ان لوگوں نے چونکہ اسلامی طلاق نہیں دی جاہلیت والی طلاق دی اس لئے جاہلیت ہی کا حکم بطور سزا کے ان پر عائد کیا تاکہ دوسرے لوگ تین طلاق دینے کی عادت چھوڑیں۔ یہ ایک اجتہاد تھا فاروق اعظم کا۔ یہ ایک سیاست تھی جس طرح خرابی آب و ہوا کے زمانے میں حفظان صحت کے محکمے کے فتویٰ کے مطابق حکومت کی طرف سے بعض چیزوں کے کھانے پینے کی ممانعت عام کا اعلان ہوجاتا ہے' اس کو مداخلت فی الدین یا حلال کو حرام کرنا نہیں کہا جاسکتا۔

**حلالہ** باقی تین طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر شوہر کا نکاح نہ کر سکنا یہ محض افترا ہے اور اس کے متعلق جتنی حدیثیں ہیں وہ سب قرآن مجید کی صریح آیتوں کے خلاف ہیں۔ حلالہ کی ضرورت قرآنی آیتوں کی تصریحات کے ماتحت صرف مختلعہ بالمال کے لئے ہے یعنی جو عورت خود شوہر سے طلاق لے اور وہ یوں طلاق نہ دے تو کچھ مال اس کو دے کر باصرار اس سے طلاق حاصل کرے تو اس کے لئے یہ حکم ہے فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره مختلعہ خلع کرانے والی اپنے شوہر کو مال دے کر اس سے طلاق لینے کے بعد اس کے لئے حلال نہ رہے گی جب تک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر لے جب وہ طلاق دے دے تو پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے جس کی مفصل بحث آگے آتی ہے۔ غرض جتنی حدیثیں بھی تین طلاق کے شروع ہونے کے متعلق ان کے بعد حلالہ کے بغیر پہلے شوہر سے نہ مل سکنے کی ہیں وہ سب کی سب بلا استثناء منافقین عجم کی من گھڑت اور کوفہ و بصرہ وغیرہ کی ٹکسالوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان حدیثوں کی کثرت کو دیکھ کر متواتر کہہ کے

قرآن مجید کے ساتھ ان کا معارضہ کرنا قریب بکفر ہے۔

**متواتر حدیثیں** یہ کہنا کہ جس حدیث کو مختلف طریق سے اور مختلف واقعات کے ضمن میں اتنے لوگ بیان کریں کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا غیر متوقع سمجھا جائے ایسا تواتر ہے جو یقین کے لئے کافی ہے۔ مگر یہ کہنے کی باتیں ہیں' منافقین عجم کا یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بارہا کردند و شد۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور میں نے اپنی کتاب اعجاز القرآن کی پہلی جلد میں اس کی بحث لکھی بھی ہے۔

اور خود سلف کا عمل بھی ان کے اس بیان کردہ اصول کے خلاف ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کی اتنی حدیثیں ہیں کہ امام بخاری نے ایک رسالہ رفع یدین ہی مرتب کر ڈالا باوجود اتنے تواتر کے امام ابو حنیفہ اور سارے حنفی فقہاء اس تواتر عظیم کے باوجود اس کو خلاف سنت سمجھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں مگر واقعہ جمع قرآن بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی غلط روایت جس کو صرف ایک زہری صرف عبید بن سباق سے اور وہ صرف حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ حضرت زید بن ثابت کی وفات کے وقت عبید بن سباق دو چار برس سے زیادہ عمر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس حا دور آحاد روایت کو جس کو ایک مشتبہ شخص روایت کر رہا ہے ایسے صحابی سے جن سے اس کا ایک لفظ بھی سننا غیر ممکن ہو صرف اس لئے کہ بخاری و ترمذی و نسائی وغیرہ میں ہے سارے مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے۔

**قرآن مجید ایک جبل عظیم ہے** غرض قرآن مجید ایک پہاڑ ہے اس سے جو بھی ٹکرائے گا خود پاش پاش ہو جائے گا۔ چاہے وہ ہزار سالہ اجماع امت ہو چاہے ساری حدیث کی کتابوں کی دس بیس نہیں ہزار دو ہزار ہی حدیثیں کیوں نہ ہوں۔

**یقینی و قطعی کو ظنیات کا تابع نہ بنائیے** : قرآن مجید کی کسوٹی پر حدیثوں کو پرکھئے' حدیثوں کے مطابق کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح قرآنی آیات کو نہ بنائیے۔ حدیثیں قرآن کی شرح ہو سکتی ہیں۔ قرآنی آیات کے مفہوم کو بدل نہیں

سکتیں۔ وہی کھینچ تان جو آیات میں کرتے ہیں' ان روایات میں کیجئے اور ان روایات کو قرآن کے مطابق بنایئے۔ اگر ان روایات کے ساتھ ایسا ہی عشق ہے۔

# ارکان حکومت سے گزارش

بزرگان قوم و ملک!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ برکاتہ' میں آپ حضرات کو مسلمان جانتا اور سمجھتا ہوں اس لئے یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ قیامت پر بھی ضرور ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کی باز پرس سے بھی ضرور ڈرتے ہیں اور آپ لوگوں میں سے بھی جس قدر اقتدار و اختیار جس کو ملک پر حاصل ہے اسی قدر وہ اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھتا ہوگا۔ مگر بزرگان قوم! آپ اپنی ذمہ داریوں کے متعلق صرف اہل ملک کی ناراضی اور بیرون ملک کی بدنامی ہی سے نہ ڈریئے' سب سے زیادہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ آپ حاکم ہیں وہ احکم الحاکمین ہے' ملک پاکستان صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں خالص اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور خالص اسلامی قوانین نافذ کیئے جائیں گے۔ اگر خدانخواستہ آپ لوگوں میں سے کسی کے بھی قول یا فعل سے قیام پاکستان کے اس واحد مقصد کو کسی طرح کا بھی نقصان پہنچا تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سرکش بندوں کو ڈھیل بھی بہت دیتا ہے اور توبہ کرنے کی کافی مہلت دیتا ہے۔ مگر جب گرفت کرتا ہے تو اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ لوگوں کے ایمان میں قوت عطا فرمائے اور ایمانی ہمت کے ساتھ ساتھ اس کی توفیق دے کہ آپ کا جو قدم بھی ملکی نظم و نسق کے متعلق اٹھے بلکہ جس کام کے لئے بھی اٹھے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے قرآن و سنت کے مطابق اٹھے اور آپ لوگوں میں سے کسی سے بھی قیام پاکستان کے مقصد عظیم کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے اور آپ لوگ اسلام کے سچے خادم ثابت ہوں' آمین ثم آمین۔

اس وقت گزارش یہ ہے کہ عائلی قوانین کے متعلق علمائے کرام کو آپ لوگوں سے شکوہ ہے اور قرآن مجید کو علماء کرام سے اس سے زیادہ شکایت ہے

جتنا ان کو آپ سے ہے۔ قرآن مجید کی طرف سے میں ترجمانی کا فرض انجام دے رہا ہوں اگرچہ میں تنہا ہوں مگر میں احکم الحاکمین کا اس وقت نمائندہ ہوں۔ اس لئے نہ میں ہزار سالہ اجماع امت سے مرعوب ہوں نہ ساری دنیا کے موجودہ علماء سے ڈرتا ہوں صرف قرآن مجید کی قوت کے سہارے ساری دنیا کے علماء کو میرا چیلنج ہے۔ چار برس پہلے بھی میں نے علمائے کرام کو للکارا تھا مگر وہ سمجھے کہ ہم لوگوں کو عالم گیر نقار خانے میں اس بے بال و پر طوطی کی نغمہ سرائی کون سنے گا یہ تنہا شخص کب تک بکا کرے گا تھک کر چپ ہی ہوجائے گا۔ چنانچہ پورے پاکستان میں کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

ساڑھے تین برس انتظار دیکھ کر اب دوبارہ اس سے سخت چیلنج ان کو دے رہا ہوں امید قوی ہے کہ اس چیلنج کو پڑھ کر ہمارے علمائے کرام خاموش نہیں رہیں گے کچھ نہ کچھ ضرور بولیں گے۔

اس لئے ارکان حکومت سے میری درخواست ہے کہ ازراہ کرم عائلی قوانین کے متعلق جلدی سے کام نہ لیا جائے اور میرے اس رسالے کو پہلے ارکان حکومت خود سمجھ لیں اس کے مضامین پر حاوی ہولیں اس کے بعد یہ دیکھیں کہ علمائے کرام اس رسالے کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ قرآن مجید مدعی ہے اور علمائے کرام مدعی علیہم ہیں اور میں قرآن مجید کا ایک ادنی خادم بحیثیت وکیل اس وقت ہوں میں نے قرآن مجید اور علمائے کرام کے درمیان جو نزاع درپیش ہے اس کو خود علمائے کرام ہی پر حصر کر دیا ہے کیونکہ وہ بھی قرآن مجید پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح میں رکھتا ہوں۔ نعوذ باللہ وہ قرآن کے منکر نہیں ہیں اور نہ وہ ایمان و دیانت میں مجھ سے کسی طرح کم ہیں۔ فرق مجھ میں اور ان میں صرف یہ ہے کہ وہ اسلاف کی تقلید اور کورانہ تقلید کر رہے ہیں اور میں تقلید کو قریب بہ شرک سمجھتا ہوں۔ میں قرآن کو قرآن سے سمجھتا ہوں اور وہ قرآن کو اگلے مفسرین کی تفسیروں اور روایات سے سمجھتے ہیں میں نے اسلاف کی اجتہادی خطائیں دلائل و براہین کے ساتھ ان کے سامنے رکھ دی ہیں۔ یقین ہے وہ لوگ ان پر ٹھنڈے دل

سے غور فرمائیں گے اگر میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں تو مجھ کو متنبہ کرکے ممنون فرمائیں گے۔ ورنہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے آگے سر تسلیم خم کردیں گے۔ اس لئے ارکان حکومت عائلی قوانین کے متعلق جلدی نہ کریں اس رسالے سے علمائے کرام کیا اثر لیتے ہیں اور یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اس کا ذرا انتظار کرلیں۔

والسلام مع الاکرام۔

خادم القرآن المجید تمنا العمادی کان اللہ لہ

# مقدمہ

نکاح در حقیقت ایک معاہدے کا نام ہے جو دو اجنبی مرد و زن کے درمیان ہوتا ہے۔ عورت کی طرف سے اس کا ولی یا وکیل بالنکاح عہد لیتا ہے اور مرد قبول کرتا ہے۔ اسی لئے قران مجید میں ارشاد ہے واخذن منکم میثاقا غلیظا ○ اور تمہاری بیویوں نے تم سے (نباہ کا) مضبوط معاہدہ کر لیا ہے (نساء رکوع ۳) اور اسی جگہ کچھ پہلے ارشاد ہے وعاشروھن بالمعروف اپنی بیویوں کے ساتھ منصفانہ دستور کے مطابق گزر بسر کرو۔ مگر زمانہ جاہلیت میں اہل عرب عورتوں کی کچھ اہمیت سمجھتے ہی نہ تھے۔ بات بات پر طلاق دے دیا کرتے تھے اور تین طلاقوں سے کم کبھی نہیں دیتے۔ کبھی دس' بیس' پچاس بلکہ سو اور ہزار طلاق بھی کہہ دیتے تھے اور طلاق سے مراد لیتے تھے قطع رشتہ نکاح اور طلاق دے کر یا تو گھر سے نکال دیتے تھے یا گھر میں معلقہ قیدی بنا کر رکھتے تھے۔ نہ خود اس سے ازدواجی تعلق رکھتے تھے نہ کسی دوسرے سے اس کو رشتہ قائم کرنے دیتے تھے۔ اگر وہ بااثر قبیلے والی ہوتی تھی تو اس کو اس کے لوگ آکر لے جاتے تھے۔ ورنہ غریب زندہ درگور پڑی رہتی تھی۔

ان کے یہاں طلاق کی کوئی عدت بھی نہ تھی یہ جو بعض روایتوں میں ہے کہ وہ طلاق دیتے تھے اور جب عدت پوری ہونے پر آتی تھی تو رجوع کر لیتے تھے اور پھر طلاق دیتے تھے' پھر جب عدت پوری ہونے پر آتی تو پھر رجوع کر لیتے تھے۔ اس طرح اس غریب عورت کو پریشان کرتے تھے اس قسم کی بعض روایتیں زمانہ جاہلیت کے متعلق بھی بعضوں نے لکھی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے متعلق یہ کہی ہوئی موضوع روایت ہے' ممکن ہے کہ عہد اسلام میں جب مطلقہ عورتوں کو عدت کرنے کا حکم ہوا ہے اس کے بعد ایسا ہوا ہو۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ان رجلا من الانصار کہہ کر اس قسم کی روایت لکھی ہے۔ مگر زمانہ جاہلیت میں مطلقہ کے

لئے کوئی عدت نہ تھی نہ کوئی بتا سکتا ہے کہ اس وقت اگر عدت تھی تو کس حساب سے تھی۔

**طلاق اور عدت** قرآن مجید نے طلاق کے متعلق پہلی اصلاح یہ کی کہ شوہر کو اگر بیوی سے سرکشی و نافرمانی کی شکایتیں پیدا ہو رہی ہوں فعظو هن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن تو ان کی اصلاح کے لئے تین منزلیں طے کرو: پہلی منزل وعظ و نصیحت کی طے کرو' کچھ دن ان کو سمجھاؤ وعظ و نصیحت کے ذریعے راہ پر لانے کی کوشش کرو اگر اس منزل میں تم ناکام رہو اور وعظ نصیحت سے بیوی راہ پر نہ آئے تو واهجروهن فی المضاجع خواب گاہ میں ان سے علیحدگی اختیار کرلو' اس جملے میں ایک بڑی بلاغت اور ایک بہترین اخلاقی تعلیم ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ فاخرجوهن عن المضاجع یعنی حجرہ خوابگاہ سے انہیں باہر نکال دینے کا حکم نہیں فرمایا گیا۔ اهجروهن فرمایا گیا ان سے جدائی اختیار کرو فی المضاجع خواب گاہ کے اندر۔ یعنی اسی حجرے میں اپنا بستر ان کے بستر سے الگ کرلو۔ یا اسی مسہری یا پلنگ یا تخت پر جس پر ساتھ سوتے ہو تم اس کی طرف سے منہ پھیر کر سوجاؤ' تاکہ تم دونوں کے درمیان جو رنجش کی صورت پیدا ہوگئی ہے اس کی خبر گھر کے دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ حجرے کی باتیں حجرے کے اندر ہی رہیں۔ غرض کچھ دنوں یہ کرکے بھی دیکھ لو۔ اگر اس سے بھی وہ راہ راست پر نہ آئے اور اس علیحدگی کی پرواہ نہ کرے تو اس کی اجازت ہے کہ واضربوهن یعنی تم ان کو کچھ مار بھی سکتے ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ مار سے بھوت بھی بھاگ جاتا ہے' حدیث میں اس مار کی نوعیت بھی بتادی گئی ہے کہ غیر مبرح یعنی ضرب شدید نہ ہو' مار ایسی ہو کہ جسم پر اس مار کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو' اگر مار کھانے سے بھی وہ اصلاح پذیر نہ ہو تو حکم ہے فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها تو اب زن و شو کے اولیاء قریبی رشتہ داروں اور خیر خواہوں کو مخاطب کرکے فرمایا گیا۔ یعنی جب زن و شو میں بات اس قدر بڑھ گئی کہ ان کے

درمیان جو آویزشیں پیدا ہوئی ہیں کہ اس کی خبر حجرے سے باہر گھر کے دوسرے افراد تک یا گھر سے بھی باہر برادری کے لوگوں اور پڑوسیوں تک پہنچ گئی تو ان لوگوں کا یہ فرض ہے کہ ان دونوں کے مشورے سے ایک حکم شوہر کے ہوا خواہوں میں سے اور ایک حکم عورت کے خیر خواہوں میں سے مقرر کرکے دونوں کی شکایتوں کو سن کر رفع شکایات کراکے دونوں میں مصالحت کرادیں اور اگر دونوں بطور خود بھی اپنا اپنا حکم مقرر کرلیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اصل غرض دونوں کی طرف سے حکم مقرر ہوجانے سے ہے' چاہے دونوں کے اعزہ و اولیاء مقرر کردیں چاہے یہ دونوں خود مقرر کرلیں۔ اگر دونوں حکم ان دونوں میں مصالحت نہ کرا سکیں اور یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک علیحدگی ہی کا خواہاں ہو تو اگر مرد جدائی چاہتا ہے تو مرد کو طلاق دے دینے کا اختیار حاصل ہی ہے۔ طلاق دے دے مگر حکم کے مطابق' طلاق دینے کا جو وقت بتایا گیا ہے اسی وقت اور اسی طرح طلاق دے۔ احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔ طلاق سے پہلے جو تین منزلیں طے کرنے کی صورت بتائی گئی ہے وہ ایسی ضروری و لازمی نہیں ہیں کہ بغیر ان تین منزلیں طے کئے شوہر طلاق دے ہی نہیں سکتا یا اگر طلاق دی تو وہ طلاق نافذ نہ ہوگی' بغیر ان تین منزلوں کے بھی دے دے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی البتہ شوہر گنہگار ہوگا کہ اس نے حسن معاشرت کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان منزلوں کو طے کئے بغیر بھی طلاق واقع ہوجائے گی اس لئے کہ ان کو طلاق کے لئے شرط کی حیثیت نہیں بتایا گیا ہے۔ بخلاف تقرر وقت طلاق کے کہ احصاء کردہ حیض کے بعد آغاز طہر ہی میں طلاق دینی چاہئے اور امساک یا تسریح کے وقت دو گواہوں کا رکھ لینا ضروری ہے۔ یہ شرائط ہیں اس لئے ان کی پابندی ضروری ہے۔ اگر حالت حیض میں طلاق دے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور تسریح بمعنی مصدر مجہول تو عورت کی عدت گزرنے کے بعد خود بخود ہو جائے گی' مگر شوہر پر تسریح بمعنیٰ مصدر معروف فرض ہے وہ بغیر گواہوں کے ناقص ہوگی۔ شوہر گنہگار ہوگا اور اگر عورت جدائی چاہتی ہے تو شوہر سے طلاق کی خواستگار ہو۔ اگر شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو دونوں حکم اس کو

طلاق دینے پر مجبور کریں' ورنہ با اختیار حاکم کے پاس حکموں کے فیصلے کے ساتھ عورت مطالبہ طلاق کرے اور حاکم شوہر کو مجبور کرے کہ وہ طلاق دے دے۔ غرض جو کچھ کیا جائے سمجھ بوجھ کے کیا جائے۔

**مگر** قرآن مجید نے دستور جاہلیت میں ایک بہت بڑی اصلاح یہ بھی فرمائی کہ شوہر اگر اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق دے دے' تو اس طلاق کے معنی فسخ نکاح اور ازدواجی رشتے کے پورے انقطاع کے نہ ہوں گے بلکہ قطع رشتہ نکاح کے ارادے کا صرف اظہار اس سے سمجھا جائے گا۔ اور شوہر کو کچھ مہلت دی جائے گی کہ وہ اپنے اس ارادہ فسخ نکاح پر دو بارہ سہ بارہ غور کرلے۔ اسی لئے عورت کو حکم ہوا کہ وہ شوہر سے طلاق پانے کے بعد تین حیضوں تک اپنے بارے میں انتظار کرے کہ شاید شوہر اپنے اس ارادے سے باز آجائے۔ اگر آخری حیض سے فارغ ہوکر غسل کرنے کے وقت بھی شوہر نے امساک کرلیا یعنی بیوی کو اپنی زوجیت میں روک لیا' زوجیت سے باہر نکلنے نہ دیا تو وہ جس طرح سابق نکاح پر اس کی زوجیت میں تھی اسی طرح رہ جائے گی ورنہ تین حیضوں کی عدت پوری کرکے اس کی زوجیت سے آزاد ہوجائے گی۔ اب شوہر کا فرض ہے کہ اس کا مہر اگر باقی ہے تو مہر ادا کرکے اور جو کچھ پہلے دے چکا ہے سب کے ساتھ اس کو حسن سلوک سے رخصت کردے' عدت کے اندر نہ شوہر اس کو اس کے گھر سے نکالے نہ وہ خود نکلے اس لئے کہ عدت تک جب نکاح باقی ہے تو شوہر کا گھر جس طرح اس کا گھر طلاق سے پہلے تھا اسی طرح طلاق کے بعد بھی رہے گا البتہ عدت کے اندر شوہر امساک نہ کرے اور عدت پوری ہونے سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے عدت ختم ہو جانے کے بعد شوہر اس کو رخصت کردے گا۔ اب وہ کسی استحقاق کی بنا پر شوہر کے گھر میں نہیں رہ سکتی ہے اور نہ شوہر اس کو روک سکتا ہے۔

**دوسری قسم کی طلاقیں** زمانہ جاہلیت میں ظہار بھی ایک سخت قسم کی طلاق سمجھی جاتی تھی یعنی بیوی کو ماں کہہ دینا یا ماں کے جسم سے بیوی کے اس جسم کو

تشبیہ دینا اس نیت سے کہ میں تیرے اس جسم کو اپنی ماں کے جسم کے برابر سمجھتا ہوں' عموماً پیٹھ کا ذکر وہ کرتے تھے اور عربی میں پیٹھ کو ظہر کہتے ہیں اس لئے ایسا کہنے کو ظہار کہتے ہیں۔ مگر قرآن مجید سے اس رواج کا اس طرح پتا نہیں ملتا بلکہ بیوی کو ماں قرار دے دینے کا ذکر ہے۔ دیکھئے آغاز سورہ مجادلہ۔ بہرکیف زمانہ جاہلیت میں بیوی کو ماں بہن دادی نانی کہدینے کو سخت قسم کی طلاق سمجھتے تھے اور وہ اسی نیت سے کہتے بھی تھے۔ مگر قرآن مجید نے اس کو طلاق قرار نہیں دیا' اگرچہ اس نے طلاق ہی کی نیت سے ایسا کہا ہو۔ اس کو ایک خلاف واقعہ غلط اور بیہودہ بات قرار دیا اور پہلی بار اگر منہ سے نکل گیا ہے تو اس کو معاف کر دیا' ظہار کرنے والے کو توبہ کرنی چاہئے۔ اگر دوبارہ ایسا کہے تو اس پر کفارہ عائد کیا' ایک غلام آزاد کر دے یا دو مہینے مسلسل روزے رکھے' یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے' کفارہ ادا کرلے اس کے بعد بیوی کے پاس جائے۔

ہمارے فقہاء نے روایات موضوعہ کا اتباع کرکے اور مفسرین نے فقہاء اور روایت دونوں کا لحاظ کرکے یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۲ ۔ کے منشاء الٰہی اور یسروا ولا تعسروا کے حکم نبوی دونوں کی مخالفت کرتے ہوئے زن و شو کے معاملات میں عموماً ہر ممکن تشدد سے کام لیا ہے اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ منافقین عجم کی من گھڑت روایات کی بنا پر فقہ کی ساری کتابوں کو دیکھ جایئے' ہر مسئلے میں اصل بنیاد روایات ہیں' قرآنی آیات محض بد رقے کے لئے پیش کی گئی ہیں اور جہاں جہاں آیات و روایات میں اختلاف بلکہ تضاد بھی ہے وہاں وہاں کھینچ تان کر آیات کو کسی نہ کسی طرح روایات کا تابع کیا گیا ہے۔ جس کی روشن مثال زیر بحث طلاق کی آیتیں ہیں' ظہار میں بھی وہی صورت اختیار کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ عفو کے باوجود پہلی ہی بار میں کفارہ عائد کر دیا ہے۔

**تیسری صورت** طلاق کی ایک صورت ایلاء بھی تھی۔ یعنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیں ہمیشہ کے لئے یا مدت دراز کے لئے تو اگر ہمیشہ کے لئے یا سو یا

ہزار برس کے لئے قسم کھالیتے تھے تو اس سے طلاق ہی کی نیت دل میں رکھتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کو بھی طلاق قرار نہیں دیا اور اس کا ایک کفارہ بتایا کہ شوہر صرف چار مہینے تک اس بیوی سے الگ رہے۔ چار مہینے کے بعد بیوی کے پاس چلا جائے۔ اگر چار مہینے ختم ہونے کے بعد بھی وہ اس بیوی کے پاس نہیں جاتا ہے اور طلاق ہی کا عزم ظاہر کرتا ہے تو اب یہ عورت مطلقہ کی حیثیت میں آگئی اور جس وقت اس نے ارادہ طلاق ظاہر کیا ہے اس وقت سے عورت کی عدت طلاق شروع ہوجائے گی اور چونکہ عدت والی طلاق امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے اس لئے شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کر لینے کا حق باقی رہے گا اور اگر اس نے امساک کیا ہی نہیں اور عدت گزر گئی تو اگر دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن امساک کرکے عدت کے اندر اگر اس بیوی کے پاس گیا' یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرکے اس کے پاس گیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب الادا ہوگا۔ اس لئے کہ ایلاء کا جو کفارہ چار ماہ تک رکا رہنا بتایا گیا تھا اور چار ماہ کے بعد بیوی کے پاس جانے کا حق دیا گیا تھا اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اس کفارے کے وقت کو ضائع کر دیا اور اس ایلاء کو طلاق قرار دے دیا' تو قسم تو اپنی جگہ پر باقی رہ گئی اب ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے ورنہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اس کی بھی صلاحیت نہ ہو تو تین دن پے در پے روزے رکھے۔ مگر بیوی کے پاس جانے کے بعد اس لئے کہ قسم کا کفارہ توڑ لینے کے بعد عائد ہوتا ہے قبل نہیں۔

لیکن چار مہینے گزر کر فوراً بیوی کے پاس چلا گیا تو اس پر کفارہ قسم واجب الادا نہ ہوگا اور نہ شوہر کو یہ حق ہوتا ہے کہ چار مہینے تک علیحدہ رہنے کے عوض صرف قسم کا کفارہ ادا کرکے چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس چلا جائے جب یہ حق شوہر کو نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ چار ماہ کا انتظار شوہر کے لئے کفارہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہاں اگر چار ماہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی ہے تو اتنے دنوں تک علیحدہ رہے اور چار ماہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی تھی اور اس قسم کی مدت

کے اندر بیوی کے پاس چلا گیا تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

یہاں بھی بعض فقہاء نے تشدد سے کام لیا ہے اور ایلاء کا کفارہ جو چار ماہ تک علیحدہ رہنا بتایا گیا ہے اور چار ماہ کے بعد بیوی کے پاس جانے کی اجازت ہے تو بعضوں نے کہا کہ چار ماہ گزرتے ہی ایک طلاق پڑ جائے گی' یعنی اب اگر بیوی کے پاس گیا تو یہ امساک ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فان عزموا الطلاق یعنی چار ماہ کے بعد اگر شوہر نے عزم طلاق ظاہر کر دیا تب طلاق واقع ہوگی یہ کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرتے ہی خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔ بعضوں نے کہا چار ماہ کے بعد وہ بیوی کے پاس فوراً بھی جائے گا تو باوجود چار ماہ تک علیحدہ رہنے کے اس کو قسم کا کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا' حالانکہ قسم کا کفارہ ہی عائد کرنا ہوتا تو چار ماہ تک علیحدگی کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن مجید نے تو ایک کفارہ چار ماہ تک علیحدگی کا بتا ہی دیا' پھر قسم کا کفارہ اپنی طرف سے ان فقہاء کو عائد کرنے کا کیا حق تھا۔ مگر تشدد پسند فطرت سے مجبور تھے۔

ا اللہ تمہارے ساتھ آسانی بہم پہنچانا چاہتا ہے تم کو دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ سورہ بقرہ صفحہ ۱۸۵ ۔ ۲۴ ۔ ۲۱۴ ۲ آسانی پیدا کرو۔ دشواری نہ پیدا کرو۔ یہ حدیث نبوی ہے آپ صحابہ کو اس کا حکم فرماتے تھے۔ جب دوسری جگہ کسی کو بھیجتے تھے کہ وہاں فتویٰ دینے میں سختی نہ برتنا"۔

# اہل انصاف کے لئے ایک لمحہ فکر

کوئی بیوی کو ماں کہدے اسی نیت سے کہ وہ اس پر اس کی ماں کی طرح حرام ہے مگر قرآن مجید اس کو طلاق قرار نہیں دیتا۔

کوئی بیوی کے متعلق قسم کھالے کہ اس کے پاس کبھی نہ جائیں گے، قرآن مجید اس کو بھی طلاق نہیں قرار دیتا اور نہ یہ پوچھتا ہے کہ اس نے جس وقت قسم کھائی تھی کس نیت سے کھائی تھی؟ مگر ہمارے علماء نے طلاق بالکنایہ وغیرہ قائم کرکے طلاق کے بیسوں صیغے نکال کر رکھ دیئے اور نئی نئی قسم کی متعدد طلاقیں نکال کر رکھ دیں جن کے منہ سے نکالتے ہی ان کی بیوی ان پر حرام ہوجائے گی یعنی وہ طلاق بائنہ ہوگی مگر اس طلاق کی عدت بھی گزارنی ہوگی۔ حالانکہ قرآن مجید کی رو سے طلاق بائنہ کوئی طلاق ہی نہیں اگر طلاق تسریحی کا نام انہوں نے طلاق بائنہ رکھ لیا ہے تو وہ صرف غیر ممسوسہ یا مختلعہ ہی کو دی جاتی ہے اور ان دونوں کے لئے عدت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی رو سے ہر وہ طلاق جس کے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہو وہ امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے اور ہر عدت والی طلاق کے بعد شوہر کے لئے عدت کے آخری لمحے تک امساک کر لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ سب سے زیادہ کمال تو یہ کیا کہ جو عورت شوہر کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق حاصل کرے اور شوہر اس سے مال لے کر اس کو طلاق دے تو قرآن مجید نے اس مطلقہ کے لئے فرمایا ہے : فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی جب تک اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ مگر محض روایت موضوعہ کی بنیاد پر لوگوں نے اس حکم کو تین طلاق پانے والیوں پر تھوپ دیا ہے اور مختلعہ یعنی شوہر سے طلاق بعوض مال حاصل کرنے والی کو اس سخت حکم سے آزاد کر دیا۔ مجرم تو آزاد ہے اور مجرم کے جرم کی سزا ایک بے قصور بلکہ مظلومہ کو دے دی گئی ہے : یعنی تین طلاق دے دینا شوہر کا جرم تھا وہ آزاد ہے

جس کو تین طلاق دی گئی وہ بے قصور تھی مگر اس غریب کے سر پر پہاڑ لا کر ڈال دیا گیا اور جس کے سر پر یہ پہاڑ ڈالا گیا تھا اس کو اس بار گراں سے بالکل سبکدوش رکھا۔ کوئی انصاف ور رواتیوں سے قطع نظر کرکے صرف آیات پر کبھی غور نہیں کرتا روایات کی عینک ہر ایک کی آنکھوں پر لگی ہے۔ ہر مجتہد ہر فقیہہ پہلے روایات کو دیکھ کر ایک رائے قائم کر لیتا ہے پھر اسی کے مطابق آیات سے مفہوم نکالتا ہے جہاں وہ مفہوم نہیں نکلتا وہاں اپنی طرف سے کچھ الفاظ تفسیر میں بڑھا کر کہیں کی ضمیر کہیں پھیر کر کہیں کا عطف کہیں پر کرکے کسی نہ کسی طرح آیت کو روایات کا تابع کیا جاتا رہا اور آج تک کیا جا رہا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار!

# قرآن مجید اور مسئلہ طلاق

قرآن مجید نے زن و شو کے درمیان اگر ناموافقت ہو تو اس ناموافقت کو موافقت میں تبدیل کرنے کے لئے طلاق سے پہلے چار منزلیں قرار دیں۔ پہلے شوہر وعظ و نصیحت سے بیوی کو راہ پر لانے کی کوشش کرے' وعظ و نصیحت سے کام نہ نکلے تو خواب گاہ میں علیحدگی اختیار کرے' اس سے بھی کام نہ نکلے تو بغرض تنبیہہ کسی قدر گوشمال اور ہلکی مارپیٹ سے راہ پر لائے' یہ صورت بھی کارگر نہ ہو تو جانبین کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہوں' وہ جانبین کی شکایتیں سن کر رفع شکایات کی کوشش کرے اور مصالحت ممکن نہ ہو تو اگر شوہر مفارقت کا طالب ہو یا دونوں ایک دوسرے سے مفارقت ہی پر مصر ہوں تو حکموں کی قرارداد کے مطابق شوہر طلاق دے دے مگر یہ طلاق رجعی ہوگی اگر طلاق پر اصرار زیادہ تر شوہر ہی کو ہے اور اگر عورت کو زیادہ اصرار ہو یا عورت ہی مفارقت کی طالب ہو تو طلاق تسریحی یعنی بائن ہوگی اور اسی وقت بغیر عدت گزارے وہ عورت شوہر کے گھر سے رخصت ہو جائے گی۔ شوہر حکموں کے فیصلے اور منصفانہ دستور کے مطابق اس کو رخصت کر دے گا اور عورت پر عدت گزارنی واجب نہ ہوگی۔ اگر اس نے شوہر کو

کچھ مال دے کر اس سے طلاق لی ہے اور شوہر نے مال لے کر طلاق دی ہے تو وہ شوہر پر بالکل حرام ہو جائے گی۔ جب تک کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور وہ طلاق نہ دے دے پہلے شوہر سے یہ دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتی۔ جب اس نے باصرار تمام مال دے کر طلاق خریدی تھی' تو اب اس کو اس کی سزا بھی بھگتنی چاہئے۔

## از روئے قرآن مجید طلاق کی قسمیں

قرآن مبین نے طلاق کی دو قسمیں کی ہیں : طلاق تسریحی اور طلاق امساکی۔ طلاق تسریحی وہ طلاق ہے جس کے ایک بار طلاق دیتے ہی عقد نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور شوہر کو طلاق کے بعد امساک کا حق نہیں رہتا۔ البتہ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور طلاق امساکی سے نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ طلاق کے بعد عورت کو تین حیض (یا تین ماہ) تک انتظار کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس مدت میں عورت شوہر کو راضی کرنے کی کوشش اور ارادہ قطع رشتہ نکاح سے اس کو باز رہنے پر آمادہ کر سکے اور خود شوہر بھی اپنے اس ارادے پر نظر ثانی بار بار کر سکے۔ جانبین کے لوگ مخلصانہ درمیان میں پڑ کر ان دونوں کے درمیان مصالحت کرا سکیں اور واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف (جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت طلاق کے آخری لمحے تک پہنچ جائیں تو (اس وقت بھی) ان کو اپنی زوجیت کے احاطے سے نکلنے نہ دو ان کو منصفانہ دستور کے مطابق روک لو یا (اس آخری لمحے کو بھی گزار کر) ان کو (اپنی زوجیت کی بندش سے) آزاد کر کے منصفانہ دستور کے مطابق رخصت کر دو) اس آیت کے مطابق وہ اپنی عورتوں کو عدت طلاق کے آخری لمحے تک بھی اگر چاہیں تو اپنی زوجیت سے باہر نکلنے نہ دیں' روک لیں۔

قرآن مجید کی رو سے ایسی کوئی طلاق ثابت نہیں ہوتی کہ شوہر اپنی

ممسوسہ بیوی کو بغیر اس کے مطالبہ طلاق کے طلاق دے اور طلاق دیتے ہی بیوی اس پر حرام ہوجائے اور کوئی ایسی طلاق قرآن مجید نے نہیں بتائی ہے کہ عورت طلاق کے بعد عدت گزارے مگر شوہر کو اس عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کا حق باقی نہ ہو۔ بائنہ و مغلظہ وغیرہ جتنی طلاقیں فقہاء نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے کوئی طلاق بھی قرآن سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ سب کی سب قرآنی آیات کے صراحتاً خلاف ہیں۔ مخالف قرآن روایات کی بنیاد پر نکالی گئی ہیں۔

# طلاق پانے والیوں کی قسمیں

قرآن مجید نے مطلقات پانچ طرح کی بتائی ہیں: (۱) غیر ممسوسہ جس سے صرف زبانی ایجاب و قبول کے ذریعے نکاح ہوا ہو۔ شوہر نے اس کو ابھی ہاتھ نہ لگایا ہو۔ (۲) عامتہ الوقوع طلاق' یعنی شوہر بیوی سے ناراض ہو کر اپنی مرضی سے بیوی کو طلاق دے۔ عام طور سے زیادہ تر یہی طلاق واقع ہوا کرتی ہے۔ (۳) شوہر طلاق بھی دے اور طلاق سے پہلے جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے وہ سب یا اس میں سے کچھ کم و بیش واپس بھی لے لے (۴) شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا عورت ہی اس شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی' اس لئے عورت ہی شوہر سے طلاق کی خواہاں ہو اور عورت کے اصرار سے مجبور ہو کر شوہر طلاق دے دے۔ اس کو استطلاق کہنا چاہئے مگر روایات میں اس کا نام خلع مذکور ہے اس لئے فقہاء بھی روایات پرستی کے ماتحت اس کو خلع ہی کہتے ہیں۔ بعض فقہاء نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ جب تک خلع کا لفظ استعمال نہ ہوگا اس وقت تک خلع قرار نہیں پائے گا' یعنی اگر عورت نے طلاق کا مطالبہ با اصرار کیا' شوہر طلاق نہیں دیتا تھا' آخر معاملہ حکموں یا حاکموں تک پہنچا۔ ان لوگوں نے بھی عورت کے مطالبہ سخت سے مجبور ہو کر شوہر کو مجبور کیا کہ وہ اس کو طلاق دے دے' اور شوہر نے طلاق دے دی تو ان کے نزدیک یہ طلاق

ہی ہوگی اور طلاق ہی کے احکام اس صورت میں نافذ ہوں گے خلع کے نہیں کیونکہ نہ عورت نے خلع کا مطالبہ کیا نہ شوہر نے خلع کا لفظ استعمال کیا۔ حالانکہ خلع کوئی قرآنی اصطلاح ہی نہیں ہے۔ یہ غایت روایت پرستی ہے اس سے اس کا پتا واضح طور سے ملتا ہے کہ فقہاء نے اکثر مسائل میں اپنے اجتہاد و استنباط کی بنیاد صرف روایات پر رکھی ہے اور آیات کو محض بدرقے کے طور پر استعمال کیا ہے وہ بھی ان کو روایات کا تابع بنا کر۔ (۵) عورت طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر اپنے پہلے دیئے ہوئے اموال میں سے سب یا ان میں سے فلاں فلاح چیزیں واپس کر دو۔ شوہر کے اس مطالبے پر یا بغیر مطالبے کے بطور خود عورت اس کی ساری دی ہوئی چیزیں یا جس قدر وہ مانگے واپس دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لینا چاہے' یا شوہر نے کچھ بھی نہ دیا ہو یا محض معمولی چیزیں دی ہوں اور عورت اپنے پاس سے بطور خود شوہر کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق حاصل کرے اور شوہر عورت کا پیش کردہ مال لے کر اس کو طلاق دے دے اس کو استطلاق بالمال یا خلع بالمال کہیں گے۔

بس یہی پانچ قسم کی مطلقات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان پانچ کے سوا اور کسی قسم کی مطلقہ کا ذکر قرآن نہیں کرتا۔ البتہ غیر ممسوسہ کی دو قسموں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (۱) ایک تو ایسی غیر ممسوسہ جس کا مہر معین ہو چکا ہو تو اس کو طلاق کے وقت نصف مہر دلوایا ہے اور (۲) دوسری وہ غیر ممسوسہ جس سے صرف ایجاب و قبول تو ہوا ہے مگر مہر معین نہ ہو سکا اس کو صلاح و مشورہ پر اٹھا رکھا گیا' یا مہر مثل دریافت کرنے پر یا کسی اور وجہ سے تو ایسی غیر ممسوسہ کو کچھ مناسب انداز سے دے دینے کا حکم ہوا ہے۔ ان دونوں قسموں میں طلاق کے متعلق چونکہ ایک ہی حکم ہے' اس لئے مطلقات کی قسمیں بیان کرنے میں دونوں طرح کی غیر ممسوسہ کو میں نے ایک ہی قسم میں شمار کیا اور مطلقات کی چھ قسمیں نہیں لکھیں۔

ان پانچ قسموں میں سے صرف غیر ممسوسہ کے متعلق صراحتاً" مذکور ہے کہ فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا یعنی ان (غیر ممسوسہ مطلقات) پر

تمہارے مفاد کے لئے کوئی عدت نہیں ہے جس کو تم (طلاق کی) عدت کی حیثیت سے ان سے پوری کراؤ۔ اسی لئے ان کے لئے ارشاد ہے کہ ان کو طلاق دو فمتعوھن و سرحوھن سراحا جمیلا ○ کچھ مال ان کو دیکر خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ غیر ممسوسہ کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے فوراً ان کی تسریح یعنی آزاد کرکے رخصت کر دینا شوہر پر واجب ہے' اور تسریح کے بعد عدت نہیں ہے۔ عدت اگرچہ مطلقہ پر واجب ہے مگر اس سے تعلق ہے شوہر کے مفاد کا' اس لئے مالکم علیھن من عدة تعتدونھا فرمایا گیا لکم یعنی تمہارے نفع تمہارے فائدے کے لئے۔ ۳۔ تعتدون کے فاعل بھی شوہر ہیں ھا کی ضمیر عدة کی طرف پھر رہی ہے۔ اعتداد کے معنی ہیں عدت پوری کرانا' عدت قرار دینا۔ بعض لوگ جو اعتداد کے معنی گننے کے یہاں لیتے وہ صحیح نہیں ہے۔

اعتداد کا لفظ جس طرح عدد سے نکلتا ہے' اسی طرح عدة سے بھی نکلتا ہے۔ یہاں ذکر عدة کا ہے۔ چونکہ شوہر کے گھر میں رہ کر مطلقہ عدت گزارتی ہے۔ شوہروں کو حکم ہے کہ لا تخرجوھن من بیوتھن ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو' یعنی طلاق کے بعد بھی شوہر کا گھر ان کا گھر اسی طرح ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھا۔ عدت کے آخری لمحے تک ہر عدت گزار مطلقہ کا نکاح باقی رہتا ہے اسی لئے شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک اسی سابق نکاح پر امساک کر لینے کا یعنی ارادہ قطع رشتہ نکاح سے رجوع کرکے اپنی مطلقہ کو اپنی زوجیت میں روک لینے کا حق رہتا ہے۔ پھر شوہر اس بنا پر عدت تک اس مطلقہ کا نان و نفقہ دیتا رہتا ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کے باعث اعتداد یعنی عدت پوری کرانے کا فاعل شوہروں کو قرار دیا گیا ہے۔ فقط گننا وہ بھی صرف تین حیضوں کا کوئی مفہوم نہیں رکھتا اور یہاں ضمیر عدت کی طرف پھر رہی ہے۔ حیضوں کی طرف نہیں عدة تو ایک ہے جو تین حیضوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک عدة کیا گنی جائے گی۔ یہاں عدة سے عدة النساء یعنی حیض مراد نہیں ہو سکتا ذکر عدة طلاق کا ہے۔

مختصر یہ کہ غیر ممسوسہ کی فوراً طلاق دیتے ہی تسرح کا چونکہ حکم ہے اس لئے اس کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ گیا' تو پھر شوہر کا کوئی مفاد اس سے وابستہ نہ رہا اور جب شوہر کا مفاد اس مطلقہ سے وابستہ نہ رہا تو وہ عدت کیوں کرنے لگی اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو شوہر کا گھر ان کا گھر نہ رہا۔ اس لئے عدت کرے گی کہاں تین حیضوں تک کی مدت گزارنے کی جو جگہ بتائی گئی تھی وہ بھی ان کے لئے نہ رہی اور جب شوہر کے مفاد کا ان سے تعلق نہ رہا تو شوہر تین حیض تک ان کو نان و نفقہ کیوں دینے لگا۔ ان تمام باتوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ عدت اسی مطلقہ پر واجب ہے جس کا نکاح طلاق دیتے ہی نہیں ٹوٹتا جو عدت تک شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے۔ حمل کا پتا لگانا اگر عدت کی غرض ہوتی تو آئسہ اور نابالغہ پر تین ماہ کی عدت فرض نہ ہوتی۔

**تعدد طلاق** اسی طرح ایک طلاق کے بعد جو دوسری طلاق دینے کی بھی اجازت ہے وہ ایسی ہی طلاق کے لئے جس سے فوراً نکاح نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے کہ دوسری طلاق صرف پہلی طلاق کی تاکید و توثیق کے لئے مطلقہ کو متنبہ کرنے کے لئے دینے کی اجازت ہے۔ اس سے زیادہ دوسری طلاق کا کوئی اثر نہیں۔ پہلی طلاق دے کر شوہر نے بیوی کو اپنے ارادہ فسخ نکاح سے مطلع کر دیا اگر بیوی نے اس کی پروا نہ کی اور اپنی سرکشی و نافرمانی پر اسی طرح قائم رہی تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے دوسری طلاق شوہر عدت طلاق کے پہلے حیض کے بعد دے گا۔ اگر تیسری طلاق کی بھی اجازت ہوتی تو وہ تاکید و توثیق مزید ہوتی مگر تیسری طلاق تو ممنوع ہو گئی۔

جس کا نکاح طلاق دیتے ہی ٹوٹ گیا پہلی ہی طلاق کے بعد وہ منکوحہ تو غیر منکوحہ ہو گئی تو کیا دوسری طلاق وہ غیر منکوحہ کو دے گا؟

**تعدد طلاق اور عدۃ صرف امساکی ہی طلاق کے لئے ہے** اتنی تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ طلاق کا تعدد ہو یا طلاق کی عدت ان دونوں کا تعلق صرف امساکی ہی طلاق کے ساتھ ہے جو طلاق وقوع کے ساتھ فسخ نکاح کر دے وہ

تسریحی طلاق ہے نہ اس میں تعدد ہو سکتا ہے نہ اس کے بعد مطلقہ پر عدت واجب ہے۔

**مستلقہ یعنی مختلعہ** یہ تو معلوم ہوگیا کہ غیر ممسوسہ پر صرف ایک ہی طلاق سے تسریحی طلاق پڑ جائے گی' نہ اس کے لئے دوسری طلاق کی گنجائش ہے اور نہ وہ عدت کرے گی۔

مستلقہ یعنی مختلعہ اگر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی تو ظاہر ہے کہ وہ امساکی طلاق کا کبھی مطالبہ نہیں کرے گی چاہے مال دے کر مطالبہ کیا ہو چاہے بغیر کچھ مال دیئے۔ اس کا مطالبہ جب ہوگا تو مکمل فسخ نکاح کا اس لئے عورت کے مطالبے پر جب طلاق دی جائے گی تو وہ تسریحی ہی ہوگی۔ شوہر کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دل میں امساکی طلاق کی نیت رکھ کر عورت کے مطالبے پر اس کو طلاق دے۔ شوہر اگر کہے کہ میں نے دل میں امساکی ہی طلاق کی نیت رکھ کر طلاق دی تھی تو اس کے کہنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ وہ عورت کے مطالبے کے مطابق تسریحی ہی طلاق سمجھی جائے گی اور شوہر کو عدت پوری کرانے کا یا طلاق کے بعد امساک کر لینے کا حق حاصل نہ ہوگا اور چونکہ طلاق کے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا اور اب شوہر کا مفاد اس سے وابستہ نہ رہا اس لئے وہ مستلقہ مختلعہ عدت بھی نہیں گزارے گی۔ البتہ اگر بغیر کچھ مال لئے شوہر نے عورت کے مطالبے پر طلاق دی ہے تو اگر دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوگئے ہوں تو دونوں میں نئے سرے سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مال لے کر طلاق دینے کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔

شوہر اگر بطور خود اپنی مرضی سے طلاق دے رہا ہے تو شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی واپس لے۔ مگر بعض ایسے مال وہ دے چکا ہے جس کو واپس لئے بغیر وہ اس کو طلاق نہیں دے سکتا اور بغیر طلاق دیئے اس کو کوئی چارہ بھی نہیں ہے تو یہ معاملہ حکموں یا حکام کے پاس جائے گا۔

اگر وہ لوگ بھی از روئے انصاف یہی مناسب سمجھیں گے کہ یہ کچھ مال واپس لے کر طلاق دے تو جس قدر مال وہ لوگ اس کو دلوائیں اتنا ہی اس کو لینا ہوگا اور عورت کو اتنا مال دے دینا ہوگا۔

اور اگر عورت ہی نے استعفاق یعنی مطالبہ طلاق کیا ہو اور کچھ مال دے کر اس نے شوہر سے طلاق لی ہو اور شوہر نے بیوی سے مال لے کر طلاق دی ہو تو چونکہ استعفاق کے بعد طلاق پاتے ہی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لئے نکاح تو فوراً ٹوٹ جائے گا۔ مگر چونکہ عورت نے مال دے کر گویا طلاق خریدی ہے اور شوہر سے غایت بیزاری کا ثبوت دیا ہے اس لئے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ (تو اگر شوہر نے فدیہ دینے والی عورت کو طلاق دے دی تو وہ فدیہ دے کر طلاق لینے والی اس کے لئے فدیہ دے کر طلاق پانے کے بعد حلال نہ رہے گی جب تک اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے وہ نکاح نہ کرلے)

جب دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو بطور خود یا اس عورت کے مطالبے پر مجامعت کے بعد یا مجامعت و مساس سے بھی پہلے تو یہ عورت اپنے اس پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی۔

یہ ہیں قرآن کے صریح احکام طلاق کے متعلق ودونها خرط القتاد اور ان کے سوا جو کچھ ہیں وہ فقہاء کے اپنے مخترعات ہیں محض روایات موضوعہ کی بنیاد پر جو زیادہ تر کوفہ و بصرہ کی ٹکسالوں میں گھڑی گئیں۔

## اصول مسلمہ و متفق علیہا

میں دس اصول ایسے پیش کر رہا ہوں جن کے ماتحت تقریباً ہر زبان میں کسی لکھی ہوئی عبارت کا مطلب عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ کسی صاحب علم کو ان میں سے کسی اصل سے بھی یقیناً اختلاف نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے ان کو اصول مسلمہ و متفق علیہا" قرار دے کر پیش کیا ہے۔ اگر ان اصول کا اتباع کرکے قرآنی

آیات کا مفہوم متعین کیا جائے تو بہت سے باہمی اختلافات کا فیصلہ باآسانی تمام ہو سکتا ہے اور باہمی اختلافات کا جھگڑا چکایا جا سکتا ہے' بشرطیکہ دیانت داری کے ساتھ باز پرس آخرت سے ڈرتے ہوئے انصاف سے کام لیا جائے اور آیات کو روایات کے تابع کرنے اور فرقہ پرستی کے جذبات سے ذہن کو خالی رکھ کر غور کیا جائے اور ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے۔

# اصول عشرہ

نمبر۱ : قرآن مجید میں جہاں کوئی لفظ مشترک یعنی مختلف و متعدد معانی والا آگیا ہے بعض جگہ سیاق و سباق خود بتا دیتا ہے کہ یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں یا کہیں خود وہیں پر یا کسی دوسری جگہ قرآن مجید نے خود اس کے مفہوم مراد کو متعین کر دیا ہے۔ جہاں سیاق و سباق سے یا خود قرآنی تصریح سے اس کے معنی متعین ہو رہے ہوں اور وہاں اس کے خلاف کسی روایت کی بنیاد پر اس لفظ مشترک کے معنی متعین نہیں کیے جاسکتے۔

نمبر۲ : کسی ضمیر کا مرجع، کسی اسم اشارہ کا مشار الیہ، کسی عہد کا معہود اور کسی معطوف کا معطوف علیہ اگر قریب موجود ہو اور اس قریب سے تعلق پیدا کرنے میں کوئی ادبی یا عقلی خرابی پیدا نہ ہو رہی ہو یا اس قریب سے تعلق پیدا کرنے میں کوئی ایسا مفہوم نہ نکلتا ہو جو قرآنی تصریحات کے خلاف ہے تو اس قریب کو چھوڑ کر بعید سے تعلق قائم کرنا کبھی جائز نہ ہو گا۔

نمبر۳ : جو حکم عام ہو خصوصاً صیغہ جمع آیا ہو اور بالخصوص وہ جمع الف لام کے ساتھ آئی ہو یا فعل بلا استثناء عائد سمجھا جائے گا اس حکم عام سے وہی فرد مستثنیٰ کر دیا ہو یا قرآن ہی سند قطعی کی بنا پر از روئے قیاس کوئی فرد مستثنیٰ ہو، محض کسی روایت کی بنا پر کسی حکم عام سے اس کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔

البتہ کوئی لفظ مطلق اگر قرآن مجید میں آیا ہے اور کسی حدیث سے اس کے اطلاق کی تقیید ہو رہی ہو، اور وہ تقیید منشاء قرآنی یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور منشائے نبوی یسروا ولا تعسروا کے مطابق ہے یعنی اس لفظ مطلق میں جو سہولت و اشکال اور نرمی و شدت دونوں پہلو تھے۔ حدیث نے

اشکال و شدت کے پہلو کو ترک کرکے سہولت و نرمی کے پہلو میں اس لفظ کو مقید کر دیا ہے۔ جیسے فاضربوھن کے متعلق آپ نے غیر مبرح فرمایا تو ایسی ہی حدیثیں اوزان کی پیدا کردہ تقیید صحیح سمجھی جائے گی۔ مگر جس تقیید میں اشکال و شدت ہی کے پہلو کو اختیار کیا گیا ہو اور قرآنی لفظ مطلق کے اطلاق کی وسعت جس سہولت و نرمی کی اجازت دے رہی ہو اس پہلو کو کوئی حدیث ترک کراتی ہو تو ایسی حدیث یقیناً شدت پسند منافقین کی من گھڑت ہی سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ ایسی تفسیر اللہ تعالیٰ و رسول صلعم دونوں کے منشائے سہولت پسندی کے خلاف ہے جو رسول خود دوسروں کو یسروا ولا تعسروا فرمائیں وہ خود یسر کو چھوڑ کر عسر کیوں اختیار فرمائیں گے۔

نمبر ۴ : قرآن مجید ایسی عربی مبین میں اترا ہے جس کو زمانہ نبوی و عہد صحابہ و عہد تابعین میں سارے اہل عرب بخوبی سمجھتے تھے۔ احکام کی آیتیں محکمات سے ہیں ان میں سے کوئی بھی متشابہات سے نہیں ہو سکتی اور نہ احکام کی آیتوں میں کوئی ایسی مخصوص قرآنی اصطلاح ہو سکتی ہے جس کو اہل عرب نہ سمجھ سکتے ہوں البتہ قرآن مجید نے خود اپنی کسی اصطلاح کے مفہوم کو واضح کر دیا ہو تو بے شک وہ قرآنی اصطلاح معتبر ہو گی۔

نمبر ۵ : صیغہ جمع پر الف لام عموماً استغراق یا عہد کا آتا ہے۔ جنس کا بھی آتا ہے مگر اس وقت وہ صیغہ جمع جمعیت سے معرا ہو جاتا ہے، محض ایک اسم جنس کی حیثیت میں آکر قلیل و کثیر سب پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے انما الصدقت للفقراء والمسکین میں فقراء و مساکین پر لام جنس ہے ایک فرد واحد کو بھی زکوٰۃ کی رقم دے دینا جائز ہے اگر صرف وہی ایک مستحق ہو۔

مگر لام استغراق جمع پر ہو تو حکم اس کے ہر فرد پر عائد ہو گا اور لام عہد کا ہو تو معہود کا ہر فرد مراد ہو گا۔ کیونکہ لام عہد بھی استغراق ہی کا مفہوم رکھتا ہے۔ یہاں معہود کا ہر فرد اس حکم میں شامل ہو گا جو حکم اس جمع محلی بلام عہد پر ہو گا۔ مگر معہود کا ذکر عہد سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ لام عہد والی جمع کے

بعد معہود کا ذکر ہو۔ یا معہود متعین کیا جائے کسی عبارت مابعد سے اس لئے کہ عہد کی دو ہی قسمیں ہیں عہد خارجی کہ معہود کا ذکر عہد سے پہلے ہوچکا ہو' یا معہود سامنے موجود ہو۔ دوسری قسم عہد ذہنی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ معہود جس طرح متکلم کے ذہن میں تکلم کے وقت موجود ہے۔ اسی طرح سامع کے ذہن میں بھی پہلے سے موجود ہو تاکہ سامع فوراً سمجھ لے' یا کوئی ایسا قرینہ واضح حالیہ ہو یا مقالیہ تکلم کے قبل سے یا بوقت تکلم موجود ہو جس سے متکلم کے بولتے ہی سامع اس قرینے کے ذریعے معہود کو سمجھ لے۔

ایسا عہد جس کا معہود نہ ظاہر میں موجود ہو نہ پہلے مذکور ہوا ہو' نہ سامع کے ذہن میں پہلے سے موجود ہو' نہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ بوقت تکلم موجود ہو کہ اس کے ذریعے سامع اس کے معہود کو سمجھ سکے' صرف مابعد کے کسی لفظ یا کسی فقرے یا کسی جملے سے سمجھا جائے تو نہ وہ عہد خارجی کہا جا سکتا نہ عہد ذہنی۔ عہد رافضی ہی اس کو کہا جائے تو مناسب ہے کہ اس کا معہود سامنے سے بھاگ کر پیچھے آگیا ہے' یا پیچھے کے بعض الفاظ سے سمجھا جا رہا ہے۔

نمبر۶ : جو صیغہ جس مفہوم کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی مفہوم کو اس سے سمجھا جائے گا۔ جب تک ادبی یا عقلی یا قرآنی دلیل سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ یہاں یہ صیغہ اپنے معنی وضعی میں فلاں وجہ سے نہیں لیا جا سکتا۔

نمبر۷ : قرات متواترہ و متوارثہ جو ساری دنیائے اسلام میں کتابتاً" قراۃ حفظاً" مروج ہے اس کے سوا کوئی دوسری قرآت خصوصاً احکام میں معتبر نہ ہوگی۔

نمبر۸ : اذا ایک حرف شرط ہے مگر ظرفیت زمانی کا مفہوم رکھتے ہوئے یعنی اس کی شرطیت کا تقاضا یہ ہے کہ وقوع شرط کے ساتھ وقوع جزاء کا وجوب ثابت کرے اور اس کی ظرفیت کا تقاضا یہ ہے کہ وجوب وقوع جزا کا وقت بتا دے۔

اگر جزاء میں صیغہ امر واقع ہوا ہے اور فعل شرط پر اذا" ہے تو اس

کے یہ معنی ہوں گے کہ جس وقت فعل شرط کا وقوع ہوگیا اس کے بعد فوراً ہی مامورین پر اس حکم کا امتثال واجب ہوگیا۔ تہیہ امتثال میں بقدر ضرورت دیر ہو یہ اور بات ہے۔

مفہوم شرطیت و ظرفیت کے ساتھ اذا شرط و جزاء میں مفہوم استغراق بھی پیدا کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر حصہ زمان جس میں وقوع شرط ہو اس میں وقوع جزاء کو ضروری ثابت کرتا ہے۔ وہی وقت وقوع شرط وقوع جزاء سے مستثنیٰ ہوگا جو کسی قطعی دلیل سے مستثنیٰ ثابت ہو اور اس استثنا سے مخاطبین واقف ہوں اور ان کی واقفیت کسی قطعی دلیل کی بناء پر ہو۔ اسی طرح جزاء میں جو حکم بیان گیا گیا ہے وہ مامورین کے ہر فرد پر بلا استثنار وجوباً عائد ہوگا پس وہی فرد اس حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا جو کسی قطعی دلیل کی بناء پر مستثنیٰ ہو اور مخاطبین اس استثناء سے کسی قطعی دلیل کی بنا پر واقف ہوں۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ اذا جس جملہ شرطیہ پر آیا ہو اس کی شرط استغراق زمانی اور اس کی جزاء بزمانہ وقوع شرط اپنے وجوب وقوع کے مفہوم سے جو اس کے مسند الیہ کے کل افراد پر علیٰ سبیل الاستغراق حاوی ہوگا کسی وقت بھی اس سے معرا ہوا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی کسی قطعی دلیل کے ماتحت کچھ استثناء رکھتے ہیں تو مستثنیٰ منہ کا استغراق مستثنیٰ کے سوا اپنے باقی افراد پر پوری طرح حاوی رہے گا۔

نمبر۹ : جملہ معترضہ ہر زبان میں اثنائے کلام میں آتا ہو اس کا مابعد اس کے قبل متصل ہی سے جوڑا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جملہ معترضہ کا مابعد اس کے ماقبل سے نہ جوڑا جائے بلکہ اس کے ماقبل کے ماقبل بلکہ اس کے بھی ماقبل سے جوڑ دیا جائے دنیا کی کسی زبان کا یہ دستور نہیں ہے کہ جملہ معترضہ کا مابعد اس کے ماقبل کو چھوڑ کر ماقبل کے ماقبل بلکہ اور اوپر کے کسی جملے سے جوڑ دیا جاتا ہو۔

جملہ معترضہ پر کوئی حرف عطف نہیں آسکتا۔ جملہ معترضہ پر واو کبھی

آتا ہے مگر وہ عطف کے لئے نہیں آتا ہے نہ اس کا کوئی معطوف علیہ اس سے پہلے مذکور ہوتا ہے۔ اس کو اسی لئے واو استیناف کہتے ہیں اور واو اعتراض بھی کہتے ہیں اور جملہ معترضہ پر حرف استثناء یا حرف استدراک کبھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ جملہ معترضہ اپنے ماقبل ومابعد جملوں کا تتمہ یا تکملہ نہیں ہوتا اس لئے اس کا کوئی نحوی تعلق ماقبل ومابعد سے نہیں ہوسکتا۔

نمبر۱۰ : کسی آیت کی تفسیر میں کوئی لفظ ایسا محذوف نہیں مانا جاسکتا جس کو جملے کی نحوی حیثیت محذوف ماننے پر مجبور نہ کرے اور بغیر اس لفظ کو محذوف مانے جملہ ناتمام ہو اور پھر یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ جو لفظ محذوف مانا جارہا ہے وہی لفظ یہاں محذوف ہے یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ۔ اس سے مختلف المعنی کوئی دوسرا لفظ یہاں فلاں دلیل سے محذوف نہیں مانا جاسکتا۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

ان دس اصولوں میں سے اگر کسی اصل سے کسی صاحب کو اختلاف ہو تو وہ وجہ اختلاف دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں اور جن اصول سے متفق ہوں انہیں اصول کی بناء پر غور فرمائیں اور انہیں اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نتیجہ غور وفکر سے مجھ کو مطلع فرمائیں واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون۔

# سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۸ سے ۲۳۱ تک جن پر غور کرنا ہے

والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثه قروء ط ولا يحل لهن ان
يكتمن ما خلق الله في ارحامهن ان كن يومن بالله واليوم الاخر ط
وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحا ط ولهن مثل الذي عليهن
بالمعروف ط وللرجال عليهن درجته ط والله عزيز حكيم الطلاق
مرتان ط فامساك بمعروف او تسريح باحسان ط ولا يحل لكم ان تاخذوا
مما اتيتموهن شيئا الا ان يخافا الا يقيما حدود الله ط فان خفتم الا يقيما
حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به ط تلك حدود الله فلا تعتدوها
ط ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظلمون ط فان طلقها فلا تحل له من
بعد حتى تنكح زوجا غيره ط فان طلقها فلا جناح عليهما ان يترجعا ان
ظنا ان يقيما حدود الله وتلك حدود الله يبينها القوم يعلمون ○ واذا طلقتم
النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف ط ولا
تمسكوهن ضرارا لتعتدوا ط ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه ط ولا تتخذوا
ايت الله هزوا ط واذكروا نعمت الله عليكم وما انزل عليكم من الكتب و
الحكمته يعظكم به ط واتقوا الله واعلموا ان الله بكل شيئ عليم ○

ترجمہ : اور طلاق عورتیں اپنے بارے میں منتظر رہیں تین حیضوں تک اور ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی کوکھوں میں جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس کو (شوہروں سے) چھپائے رکھیں۔ اگر وہ (واقعی) اللہ پر اور (قیامت کے) آخری دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے (وہ طلاق دینے والے) شوہر ان کی واپسی کے (دوسروں سے) زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ اسی واپسی میں وہ لوگ (باہمی) اصلاح کی

توقع رکھتے ہوں اور عورتوں کے حقوق (مردوں پر) ویسے ہی ہیں جیسے (مردوں کے حقوق) ان پر ہیں منصفانہ دستور کے مطابق۔ البتہ ان پر مردوں کی (فضیلت کا) ایک درجہ (حاصل) ہے اور اللہ (سب پر) غالب' حکمت والا ہے۔ (آیت ۲۲۸) وہ طلاق دو مرتبے (تک) ہے پھر منصفانہ دستور کے مطابق روک رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔ اور (اے طلاق دینے والو) تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ (ارادہ طلاق سے پہلے) تم جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی (واپس) لے لو۔ مگر یہ کہ (کوئی) دو (زن و شو) اس بات سے ڈریں کہ یہ دونوں اللہ کی (قائم کردہ) حد بندیوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو (اے جانبین کے اولیاء یا حکمو یا حاکمو!) تم لوگ (بھی) اگر یہ خطرہ محسوس کرو کہ (بغیر کچھ لئے دیئے) یہ دونوں حدوداللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں (بھی) ان دونوں (زن و شو) پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ عورت (اپنی گلو خلاصی کے لئے کچھ مال) بطور فدیہ کے (شوہر کے سامنے) پیش کردے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قائم کردہ حد بندیاں ہیں ان سے باہر نہ نکلو جو لوگ اللہ کی حد بندیوں سے باہر نکل جائیں وہی لوگ ظالم ہیں (آیت ۲۲۹) تو اگر اس شوہر نے اس عورت کو طلاق دیدی' تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس (مال فدیہ کے) لین دین کے بعد حلال نہ رہے گی جب تک وہ اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ تو اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو اس عورت اور اس کے پہلے شوہر پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر دونوں ایک دوسرے کے پاس (نکاح کے ذریعے) لوٹ جائیں بشرطیکہ دونوں یہ سمجھتے ہوں کہ (اب) اللہ کی حد بندیوں کو دونوں قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کے حدود ہیں۔ ان کو اللہ اس گروہ کے لئے بیان فرما رہا ہے جو (حدود اللہ کی عظمت و اہمیت کو) جانتے ہیں (آیت ۲۳۰) اور (اے طلاق دینے والو!) جب تم عورتوں کو طلاق (دے کر اپنے ارادہ فسخ نکاح کی خبران کو) دے چکو پھر وہ (عدت طلاق پوری کرکے) عدت کے آخری لمحے تک پہنچ جائیں تو (اب بھی اگر مناسب سمجھو تو) ان کو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت کے احاطے سے نکلنے نہ دو) روک لو یا (عدت کا یہ

آخری لمحہ بھی گزار کر تم اپنی زوجیت سے آزاد کرکے) ان کو (اپنے گھر سے) منصفانہ دستور کے مطابق رخصت کر دو۔ مگر (دیکھو) ان کو (محض) نقصان پہنچانے کے لئے نہ روک رکھو! کہ ان کے ساتھ زیادتی کرتے رہو۔ (یاد رکھو!) جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنی جان پر خود ظلم کرے گا۔ اور (دیکھو) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ٹھٹھہ نہ بناؤ۔ اللہ کے احسانات کو اور جو فرائض اور (حسن معاشرت سے متعلق) حکمت کی باتیں اللہ نے تم پر اتاری ہیں ان کو یاد رکھو ان کے ذریعے اللہ تمہیں نصیحت کر رہا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے (آیت ۱۳۱) (سورہ بقرہ رکوع ۲۹)

# حواشی

۳۔ قولہ تعالیٰ والمطلقت" مقدمہ میں لکھ چکا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں طلاق" کے معنی فسخ نکاح کے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے طلاق کے معنی مقرر کئے ہیں اظہار ارادہ فسخ نکاح۔ مگر بعض جگہ فسخ نکاح بھی مراد لیا ہے وہاں قرینہ مقالیہ یا حالیہ سے اس کے معنی فسخ نکاح کے سمجھے جاتے ہیں جیسے غیر ممسوسہ کے لئے حکم اس کے بعد ہے تسریح کردینے کا اور مستعلقہ یعنی مختلعہ فسخ نکاح ہی کی طالب ہوگی اس لئے ان دونوں کے سوا ہر مطلقہ کے لئے طلاق محض اظہار ارادہ فسخ نکاح کے معنی میں سمجھی جائے گی اور یہاں المطلقات میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ اور یہاں صیغہ جمع پر الف لام آیا ہے جو جنس کا نہیں ہو سکتا عہد کا بھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے پہلے کسی ایسی خاص طلاق کا ذکر نہیں ہے جو معہود بن سکے اس سے پہلے ایلاء کا بیان ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے وان عزموالطلاق فان اللّٰہ سمیع علیم اگر اسی طلاق کو معہود بنا کر یہاں لام عہد قرار دیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ ایلاء کرنے والا یعنی بیوی سے کبھی نہ ملنے کی یا ایک مدت دراز تک نہ

ملنے کی قسم کھانے والا شوہر اگر چار ماہ بیوی سے الگ رہ کر طلاق ہی کا عزم کر لے تو ایسی ہی مطلقات کو تین حیض تک منتظر رہنے کا حکم ہے اور بغیر ایلاء کئے ہوئے یعنی بغیر قسم کھائے ہوئے اگر یوں کوئی بیوی کو طلاق دے دے تو ایسی مطلقہ پر عدت واجب نہیں۔ جو یقیناً غلط ہوگا وان عزمو الطلاق سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ طلاق کے لئے عزم راسخ ضروری ہے اور یہ جو حدیث کہی جاتی ہے کہ ثلث حدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ تین چیزیں ہیں جو ٹھیک طریقے سے کہیں جائیں جب بھی ٹھیک ہیں اور ہنسی مذاق سے کہدی جائیں جب بھی ٹھیک اور معتبر ہی سمجھی جائیں گی۔ ایک نکاح دوسری طلاق اور تیسری رجعت یعنی امساک۔ یہ حدیث صرف عبدالرحمن بن حبیب ہی سے مروی ہے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص اس حدیث کی روایت نہیں کرتا اور امام نسائی نے عبدالرحمن بن حبیب کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔ جس کا اعتراف حافظ ابن حجر اور امام ذہبی دونوں کو ہے۔ ایسی احادیث کو جو ایک منکرالحدیث سے صرف مروی ہو اور پھر قرآن مجید کی اس آیت اور قرآنی منشا کے بھی خلاف ہو' خدا جانے فقہاء نے کس طرح معتبر سمجھ لیا ہے کہ اس کو نص قطعی کی طرح پیش کیا کرتے ہیں اور قرآنی ارشاد کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

باقی رہا موطا میں جو سعید بن المسیب کا قول یحییٰ بن سعید سے مروی ہے وہ نہ کوئی حدیث نبوی ہے نہ کسی صحابی کا قول۔ اگر وہ حبیب بن ابی حبیب کاتب امام مالک جو مشہور وضاع و کذاب تھا جلد بندی بھی کرتا تھا دوسروں کی کتابوں میں اپنی طرف سے ردوبدل اور کمی بیشی کر دیا کرتا تھا۔ امام مالک کی کتابوں میں اس نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا اور موطا کا جو نسخہ مصمودی والا ہم لوگوں تک پہنچا ہے اس کو مصمودی صاحب نے پورا امام مالک سے سنا بھی نہ تھا زیاد بن عبداللہ شبطون سے سنا تھا اور زیاد بن عبداللہ شبطون مجہول الحال شخص ہیں۔ غرض اگر یہ روایت حبیب بن ابی حبیب کی طرف سے موطا میں اضافہ نہ ہو جب بھی ایک تابعی کا ذاتی قول ہے۔ قرآنی آیت کے خلاف کسی کا بھی قول قابل قبول نہیں۔

مختصر یہ کہ المطلقت پر یقیناً الف لام استغراق ہی کا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہر مطلقہ پر تین حیضوں تک منتظر رہنا ضروری ہے اور اسی تربص اسی انتظار کی مدت کو عدۃ طلاق" کہتے ہیں۔ اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے جیسا کہ غیر ممسوسہ کے متعلق ارشاد ہے کہ مالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا تمہارے نفع کے لئے ان پر کوئی ایسی عدت نہیں ہے جس کو تم عدت کی حیثیت سے ان سے پوری کراؤ اور اسی طرح مستعلقہ یعنی خلع کرانے والی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جس کی بحث مقدمہ میں گزر چکی۔ ان دونوں کے سوا ہر مطلقہ پر طلاق کی خبر سنتے ہی تین حیضوں تک منتظر رہنا فرض ہے البتہ جن کے حیض ہی نہیں آتا ہو ان کے لئے تین مہینے کی عدت دوسری جگہ بیان فرمائی گئی ہے اور حاملہ کے لئے عدت کا لفظ نہیں فرمایا گیا ہے۔ اجل کا لفظ فرمایا گیا ہے یعنی تربص تو وہ بھی کرے گی مگر ان کے تربص کا آخری وقت وضع حمل کا وقت ہے۔ یہاں حاملہ اور غیر حائضہ کا ذکر کیوں نہیں فرمایا گیا اس کے وجوہ آگے بیان ہوئے۔

ا؎ قولہ تعالیٰ یتربصن ربص اور تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں اور انتظار کسی شخص کے آنے کا یا کسی امر کے وقوع کا یا کسی بات کے ظہور ہی کا ہو سکتا ہے مگر تربص کسی شخص کے انتظار کو نہیں کہتے۔ کسی اچھی یا بری ہونے والی بات کے انتظار کو کہتے ہیں۔

یہاں ان مطلقات کو شوہروں سے طلاق کا لفظ سن کر جو یہ معلوم ہوا کہ شوہروں نے فسخ نکاح کا ارادہ کر لیا ہے تو ان کو تین حیضوں تک اس بات کے انتظار کا حکم ہے کہ وہ دیکھیں کہ شوہر اس مدت کے اندر اپنے اس ارادہ فسخ نکاح سے باز آجاتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ فسخ نکاح نہیں چاہتی ہیں تو اس مدت کے اندر شوہروں کو اپنے سے راضی کرنے کی کوشش کریں لوگوں کو درمیان میں ڈالیں کہ کسی طرح شوہروں سے ان کی مصالحت ہو جائے۔ یہاں تک کہ طلاق کے بعد تیسرا حیض آنے لگے غسل کرکے پاک ہونے کے وقت تک شوہر امساک کر لے سکتا ہے اگر اس وقت بھی شوہر نے امساک نہ کیا اور اپنے ارادہ فسخ نکاح سے اس نے

رجوع نہ کی تو معلوم ہوگیا کہ شوہر نے تسریح کردی اور اپنے ارادہ فسخ نکاح کو پورا کردیا اور نکاح فسخ ہوگیا۔ غرض عورت پر طلاق کے بعد تربص یعنی انتظار اسی بات کا فرض ہے کہ شوہر کا اب کیا رویہ رہتا ہے۔ وہ اس کا انتظار کرے۔

۳□ قولہ تعالٰی ثلثہ قروء قرء" کہتے ہیں کسی بات کے ایسے وقت معین کو جو اس کے لئے فطرتاً معین ہو اور وہ وقت اس کے لئے بار بار آتا ہو انسانوں نے اگر کسی کام کا کوئی وقت مقرر کر رکھا ہے تو اس کو اس کام کا قرء نہیں کہیں گے جیسے کہتے ہیں اقرات الریاح یعنی ہوا اپنے وقت پر چلنے لگی۔ آمد حیض کا ایک وقت معین ہوتا ہے اسی طرح اس کی آمد کے موقوف ہونے کا بھی ایک وقت خاص ہوتا ہے اس لئے آمد حیض کے آغاز کو بھی اہل عرب قرء کہتے ہیں اور اس کے وقت ختم کو بھی مگر آغاز مراد لیں جب بھی آغاز حیض ہی مراد ہوگا اور موقوفی مراد لیں جب بھی آمد حیض ہی کی موقوفی مراد ہوگی۔ قرء کے معنی طہر کبھی نہیں ہوسکتے۔ دھوکا بعض لوگوں کو اس بات سے ہوا کہ یہاں مراد خاتمہ حیض ہے اور خاتمہ حیض کے معنی آغاز طہر ہی ہوں گے اور حکم ہی طلقوھن لعدتھن اور دونوں جمع مونث کی ضمیریں پھر رہی ہیں النساء کی طرف اور عدۃ النساء ان کے وہی ایام حیض ہیں جن کو عورتیں گنا کرتی ہیں۔ لام بعدیت کے لئے ہے یعنی بعدتھن اے بعد محیضھن اس لئے طلاق جب حیض کے بعد دی جائے گی تو آغاز طہر ہی میں دی جائے گی اور جب طلاق کے بعد فوراً عدت طلاق شروع ہوجائے گی تو پھر عدت طلاق طہر ہی سے شروع ہوئی اب جو طلاق کے بعد پہلا حیض آیا اور ختم ہوا تو دوسرا طہر ہوا پھر حیض آیا اور ختم ہوا تو تیسرا طہر ہوا۔ اب جو حیض کا آغاز ہوا تو بس عدت پوری ہوگئی اور اگر تین حیض کو عدت قرار دیتے ہیں تو ایک حیض کے بعد تو طلاق دی گئی اب یہ مدت طہر عدت سے خارج رہی جب طلاق کے بعد پہلا حیض آئے گا تو عدت شروع ہوگی۔ یعنی طلاق کے بعد جتنے دن طہر کے گزرے وہ عدت میں نہ داخل ہوں گے نہ خارج۔

مگر یہ اعتراض غلط ہے طلاق کے بعد فوراً ایام طہر ہی سے عدت شروع

ہوگی۔ طلاق کے بعد جب پہلا حیض آیا اور ختم ہوا تو پہلا قرء پورا ہوگیا ہر حیض اپنے سابق ایام طہر کے ساتھ ایک قرء ہوگا۔ دونوں اقوال میں فرق اسی قدر ہے کہ وہ کہتے ہی کہ ہر طہر اپنے بعد والے حیض کے ساتھ ایک قرء ہوگا اور ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہر حیض اپنے سابق طہر کے ساتھ ایک قرء ہوگا۔ شوہر نے اگر آمد حیض موقوف ہونے کے دس بارہ دن کے بعد بھی طلاق دی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جتنے دن بھی اس طہر کے رہ گئے ہیں وہی پہلے حیض کے ساتھ مل کر ایک قرء ہوں گے۔ اس لئے کہ طہر کے ایام مقصود بالذات نہیں ہیں مقصود عدت میں صرف تین ۳۔ حیض ہیں طہر کے ایام کم ہوں یا بیش حیض کے ضمن میں داخل عدت ہوتے ہیں۔

مختلعہ کی عدت کی روایت ایک حیض اور ونڈیوں کی عدت دو حیض کہی جاتی ہے اگرچہ میں ان روایتوں کو صحیح نہیں تسلیم کرتا۔ مختلعہ کے لئے عدت ہی نہیں ہے جیساکہ مقدمہ میں مذکور ہوا ہے اور المطلقت سے تو لونڈیوں کو مستثنیٰ کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے مگر ان روایتوں سے اتنا تو پتا ملتا ہے کہ روایت بنانے والوں نے مختلعہ کے لئے ایک طہر اور لونڈیوں کے لئے دو طہر کیوں نہیں کہا؟ اس لئے کہ اس وقت عام طور سے عدت میں حیضوں ہی کا حساب متعارف تھا طہروں کا نہیں اور جو لوگ ان حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں ان کے لئے تو یہ حدیثیں ہر حیثیت سے حجت ہیں۔

# تین حیض کیوں؟

یہ سوال بہت اہم ہے کہ طلاق کی عدت تین حیض کیوں رکھی گئی یا تین طہر ہی سہی۔ بہرحال حیض حساب میں آئے گا چاہے حیض ہی کو گنیں اور طہر ضمناً گنے جائیں چاہے طہر ہی کو گنیں اور حیض ضمناً گنے جائیں۔ آخر حیض یا طہر کا حساب ہی کیوں رکھا گیا؟ جس طرح آئیسہ (بوڑھی عورت) اور جس کو حیض نہ آتا ہو نابالغیت کے سبب سے یا کسی بیماری کے باعث یا عقر کی وجہ سے ان سب کے لئے جس طرح تین مہینوں کی عدت ہے اسی طرح عام طور سے ہر مطلقہ کے لئے تین ماہ کی عدت ہوتی۔ مہینے کا حساب طلاق دینے والا اور طلاق پانے والی دونوں باسانی کر سکتے ہیں اور حیض کا حساب وہ مطلقہ ہی کر سکتی ہے شوہر نہیں کر سکتا کیونکہ شوہر تو طلاق دے کر اپنی مطلقہ سے علیحدہ بسر کرتا ہے۔ طلاق اور علیحدگی کے بعد شوہر کو کیا خبر کہ اس کی مطلقہ کو کب آمد حیض شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔

# اس سوال کا جواب

انسان کے جسم میں جتنے اندرونی اعضاء ہیں جیسے دل، جگر، معدہ، آنتیں وغیرہ اور عورتوں کا رحم (کوکھ) اور اعضائے ظاہری میں آنکھیں اور اعضائے تناسل اور منہ میں زبان بھی، یہ سب اعضا بذات خود ایک مستقل حیوان کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ہر ایک کے اپنے مزاج کے مطابق دوسرے اعضاء سے جداگانہ احساسات ہوتے ہیں اور ان احساسات کے مطابق ہر ایک کی مخصوص خواہشیں اور ان خواہشوں کے مطابق ہر ایک کے مخصوص مطالبے ہوتے ہیں۔ چونکہ میں طب کی کوئی کتاب نہیں لکھ رہا ہوں اور نہ اعضائے اندرون جسم انسانی و حیوانی کے حالات پر کوئی مستقل مضمون

لکھ رہا ہوں کہ ہر عضو کے احساسات ' ان کی خواہشات اور ان کے مطالبات کو بالتفصیل بیان کروں ' اس لئے صرف مثال کے طور سے معدے کو پیش کرتا ہوں کہ معدہ خلو کو برداشت نہیں کرتا ' اس میں باہر سے کوئی غذا پہنچنی چاہئے تاکہ اس کا خلو دور ہو اور وہ اپنا مفوضہ کام انجام دینے لگے ' اگر باہر سے غذا نہیں پہنچتی ہے تو جو کچھ رطوبت اس میں ہے اسی پر وہ کچھ دیر قناعت کرتا ہے مگر پھر اس کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے اس کے اسی مطالبے کا نام بھوک ہے۔ اسی طرح عورتوں کا رحم بھی خلو ہ۔ برداشت نہیں کرتا۔ اس میں اس کے مطالب کے مطابق کچھ چیزیں ضرور پہنچنی چاہیں تاکہ اس کی سیری ہو۔ فطرت کی طرف سے اس کی وقتی سیری کا سامان یہ کر دیا گیا ہے کہ اس میں تھوڑا تھوڑا خون جگر سے برابر پہنچتا رہے۔ جس کا لطیف حصہ تو خود رحم کی غذا ہو جاتا ہے باقی وہیں جمع ہوتا رہتا ہے۔ تقریباً ایک مہینے تک جمع ہوتے ہوتے جب ضرورت سے فاضل ہو جاتا ہے اور اب اس عضو کی فطرت اس مقامی سامان شکم سیری پر قناعت کے لئے تیار نہیں رہتی باہر سے اس میں اس چیز کو پہنچنا چاہئے جس کے لئے یہ عضو مخلوق ہوا ہے۔ اس لئے رحم اس جمع شدہ خون کو باہر پھینکنے لگتا ہے جس کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہتا ہے جب سب جمع شدہ خون نکل گیا اور آمد حیض موقوف ہو گئی تو اب اس عضو کا زبردست مطالبہ باہر سے سامان شکم پری کے لئے شروع ہو جاتا ہے جس کو جنسی خواہش کہتے ہیں۔ چند دنوں تک اس مطالبے کا زور رہتا ہے پھر اس میں رفتہ رفتہ خون آنے لگتا ہے تو جب خون کی مقدار ایک حد تک اس میں جمع ہو جاتی ہے تو بیرونی سامان شکم پری کا وہ زوردار مطالبہ مدھم پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر خون آنے لگے۔

آپ ہر مادہ جانور میں یہ بات ضرور محسوس کریں گے کہ ان پر ایک وقت کچھ دنوں کے بعد ضرور آتا ہے کہ ان پر جنسی خواہش کا زور ہوتا ہے اور ایک طرح کی بے چینی اور اضطراب کا نمایاں اثر اس وقت ان میں ہر شخص دیکھتا یا دیکھ سکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ انسان عورتوں میں بھی آمد حیض کی موقوفی کے بعد جنسی خواہش کے غلبے کے باعث بے چینی اور اضطراب نہ ہوگا ہو مگر انسان عقل

رکھتا ہے پھر عورتوں میں عقل کے علاوہ شرم و حیا بھی ایک بہت زبردست رکاوٹ ہے جس کے سبب سے وہ اپنی بے چینی کا اظہار کسی طرح بھی نہیں کر سکتیں۔ دوسروں پر کیا کریں گی خود اپنے شوہروں سے بھی نہیں کرتیں۔ مگر وہ اظہار نہ کر سکیں تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اس عضو کا وہ فطری مطالبہ جو ہر مادہ حیوان کو ہوتا ہے ان میں ہوتا ہی نہیں۔ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔

**طلاق دینے کا وقت** : قرآن مجید نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ جس وقت چاہو بیوی کو طلاق دے دو بلکہ طلاق دینے کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ سورہ طلاق کے شروع میں ہی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصو العدۃ ط جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے بعد طلاق دو اور اس عدۃ سے مراد طلاق والی عدت نہیں ہے۔ طلاق والی عدت تو طلاق کے بعد شروع ہوگی یہ کہنا کہ لام تعلیلیہ ہے مطلب یہ ہے کہ طلاق اس لئے دو کہ وہ عدت گزاریں اور تم اس طلاق کی عدت کو گنتے رہو ایسا کہنا قلت تدبر کی دلیل ہے طلقوھن اور عدتھن دونوں کی ضمیریں النساء کی طرف پھر رہی ہیں۔ لعدتھن پر لام تعلیلیہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ لام تعلیلیہ فعل کی علت غائیہ پر آتا ہے۔ ثلثہ قروء کا تربص طلاق کی علت غائیہ نہیں ہے۔ عدت کا گزارنا کوئی مقصد نہیں ہے کہ اس مقصد کو پورا کرنے یا حاصل کرنے کے لئے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے گا۔ عدت تو بہرحال مطلقہ مدخولہ پر فرض ہی ہے۔ وہ تو طلاق پانے کے بعد عدت گزارنا شروع ہی کر دے گی اور نہ عدت گننے کی چیز ہے اس لئے کہ ہر مطلقہ کی ایک ہی عدت ہوتی ہے۔ عدت تو متعدد نہیں ہوتی کہ گنی جائے۔ البتہ عدت طلاق کے بعد تین حیضوں اور ان کے سابق طہروں کے ایام کے مجموعے کا نام ہے وہ ایام ضرور گنے جا سکتے ہیں یا تینوں حیض گنے جا سکتے ہیں۔ مگر احصاء کے معنی گننے کے ہیں ہی نہیں۔ احصاء کے معنی ہیں حفظ و ضبط میں رکھنا۔ گننے کے معنی میں احصاء کا لفظ آتا ہی نہیں۔ بے شک بعض چیزوں کو گن کر بھی حفظ و ضبط میں رکھتے ہیں تو وہاں یہ کہنا ہوگا کہ گن کر

حفظ و ضبط میں رکھا۔ مثلاً قرآن مجید سورہ جن میں ہے واحصی کل شئی عددا ورنہ وکل شئی احصیناہ فی امام مبین۔ وکل شئی احصیناہ کتابا۔ ما لھذا الکتب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔ وغیرھا من الایات کو دیکھئے ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی جہاں احصاء صرف گننے کے معنی میں آیا ہو۔ باقی رہی عدۃ تو میں لکھ چکا کہ لعدتھن کی ضمیر النساء کی طرف پھر رہی ہے اور عدۃ کہتے ہیں ان چند مخصوص ایام کو جو گنے جاتے ہوں اور جنس نساء جن ایام کو گنا کرتی ہیں وہ حیض ہی کے ایام ہیں اور لام بعدیت کے لئے آتا ہے اس سے مقصود عموماً بعد متصل ہی ہوتا ہے۔ یعنی فوراً بعد جیسے اقم الصلوۃ لدلوک الشمس یعنی بعد دلوک الشمس اسی لئے حدیثوں میں اول وقت میں نماز کی تاکید ہے مگر لام بعدیت سے مراد بعدیت متصلہ ہوتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر فوراً بعد کسی وجہ سے نہ ہوسکا اور دیر ہوگئی تو وقت گزر گیا۔ جب تک دوسرا دلوک نہ ہو پہلے دلوک کی بعدیت باقی رہے گی۔ اسی طرح ایک حیض کے فوراً بعد طلاق دینے کا حکم ہے مگر فوراً طلاق نہ دی تو دوسرے حیض کی آمد کے قبل تک دے سکتا ہے۔ مگر حکم کا منشاء یہی ہے کہ فوراً بعد طلاق دے۔ حدیث میں بحالت حیض بیوی کو طلاق دینے کی ممانعت اسی آیت کی بناء پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنی طرف سے کوئی دینی حکم نہیں دیتے تھے اور نہ محض اپنی طرف سے کسی کام سے سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔

باقی احصاء العدۃ کا حکم تو العدۃ پر الف لام عہد کا ہے یعنی جس حیض کے بعد طلاق دو اس حیض کو حفظ وضبط میں رکھ کر یعنی ایسا نہ ہو کہ اس حیض سے پہلے طہر میں تم نے اس عورت سے مجامعت کرلی ہو اور حمل رہ گیا ہو تو اس کے بعد شوہر نے سابق تجربے کی بنا پر سمجھ لیا کہ اب اس کو آج سے حیض آنے لگا ہوگا اور چونکہ برابر اس کو تین چار روز سے زیادہ حیض نہیں آتا تھا اس لئے شوہر نے پانچ چھ دن کے بعد طلاق دے دی۔ یا کبھی آغاز حمل میں کچھ حیض آبھی جاتا ہے۔ اس لئے آغاز حمل کا پتا نہ حاملہ کو ملا نہ شوہر کو' حیض آگیا۔ عورت پاک ہوکر غسل سے

فارغ ہوئی تو شوہر نے طلاق دے دی۔ مقصود یہ ہے کہ طلاق حالت حمل میں واقع نہ ہو۔ اس لئے فرمایا کہ جس حیض کے بعد طلاق دو اس حیض کو حفظ و ضبط میں رکھو۔ یعنی اس حیض سے پہلے جو طہر ہو اس طہر میں اس عورت سے مجامعت نہ کرو۔ اس حیض کو آثار حمل سے حفظ و ضبط میں رکھو۔ تو جس طہر کو شوہر نے مجامعت سے خالی رکھا یقیناً اس سے پہلے بھی ایک حیض آیا تھا اور اس طہر کے بعد بھی ایک حیض آیا۔ ان دو دو حیضوں کے مسلسل آنے سے حمل کا اشتباہ باقی نہ رہا۔

اور میں لکھ چکا ہوں کہ عورتوں کو حیض سے پاک ہونے کے بعد فطرتاً جنسی خواہش کی بے چینی ہوتی ہے جس طہر کو شوہر نے مجامعت سے خالی رکھا اس کے قبل جو حیض آیا اس حیض سے پاک ہونے کے بعد ضرور اس عورت کو فطری بے چینی ہوئی ہوگی۔ اور وہ شوہر کی توجہ کی منتظر ہوگی۔ مگر پورا طہر گزر گیا اور شوہر نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی تو ضرور اس عورت کا ماتھا ٹھنکنا چاہئے کہ آخر شوہر نے بلا وجہ یہ بے توجہی کیوں برتی؟ اور چونکہ شوہر طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو شوہر کی بعض دوسری اداؤں سے بھی وہ شوہر کی رنجش کا اندازہ لگا سکتی ہے اور عذر و معذرت کرکے شوہر کو راضی کر سکتی ہے کہ وہ طلاق نہ دے دوسرے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کر سکتی ہے ورنہ جب ایک پورے طہر کو مجامعت سے خالی رکھ کر ایک حیض کے بعد شوہر نے طلاق دے دی تو اب عورت کا یہ دوسرا حیض ہوگا جس کے بعد دوبارہ اس کو اس فطری بے چینی کا سابقہ پڑا اور بقرینہ غالب اب کے اس کو پہلے مرتبے سے زیادہ بے چینی ہوگی۔ اس لئے کہ طلاق کے بعد ہی سے یہ عدت تو گزارنے لگی۔ مگر اپنی فطری بے چینی سے ضرور مجبور ہوگی کہ شوہر کو کسی طرح راضی کرے اور مصالحت کی کوشش کرے۔ اگر طلاق کی خبرید کے اثر سے اس کو اس قدر انقباض ہوا کہ اس کا وہ فطری مطالبہ بجھ گیا اور بے چینی کے عوض افسردگی و غم و حزن نے لے لی تو دو تین ہفتے تک اس غم و حزن سے کچھ خوگری سی ضرور ہو گئی ہوگی اب عدت طلاق کا پہلا حیض آیا

تو وہ غم و حزن کا اثر تو مدہم پڑ ہی چکا تھا اس حیض کے بعد تو وہ فطری مطالبہ پھر ابھرے گا۔ اور بخوبی ممکن ہے کہ تین تین حیضوں کے بعد جو مطالبہ ابھرے تو ذرا شدت کے ساتھ ابھرے اور عورت مجبور ہو جائے شوہر سے معافی مانگنے پر اور وہ لوگوں کو درمیان میں ڈالے اور مصالحت کی پوری کوشش کرے اگر طلاق کے پہلے حیض میں بھی اس نے ضبط سے کام لیا اور مصالحت کی کوئی کوشش نہ کی تو پھر عدت طلاق کا دوسرا حیض آئے گا اس کے بعد تو وہ فطری مطالبہ اس کو ضرور مجبور کرکے رہے گا کہ وہ شوہر کو کسی نہ کسی طرح اپنے سے راضی کرلے۔ اس پورے آخری طہر میں وہ کوشش کرکے شوہر کو امساک یعنی رجوع پر راضی کر سکتی ہے یہاں تک کہ تیسرا حیض آجائے یہ عدت طلاق کا آخری حیض ہے اس حیض کے اندر بھی مصالحت ہو سکتی ہے۔ حیض میں شوہر مجامعت نہیں کر سکتا مگر بوس و کنار تو کر سکتا ہے۔ امساک و رجوع کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور صرف زبان سے بھی کہدے سکتا ہے کہ میں نے امساک کرلیا اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلیا۔

**واضح رہے** کہ مطلقہ پر عدت اسی طلاق کے بعد فرض ہے جو شوہر اپنی مدخولہ بیوی کو اپنی مرضی سے طلاق دے۔ اس کے علاوہ کسی طلاق میں عدت مطلقہ پر فرض نہیں۔ عورت غیر ممسوسہ ہو تو طلاق کے بعد اس پر عدت ہی فرض نہیں۔ عورت ہی شوہر سے بیزار ہو اور شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرکے باصرار طلاق لے لے تو اس پر بھی عدت فرض نہیں ان دو قسموں کے سوا اور کوئی بے عدت کی تیسری طلاق ہی نہیں اور جس طلاق کے بعد عورت پر عدت فرض ہے وہی طلاق امساکی یعنی رجعی ہوتی ہے۔ وہ طلاق تسریحی نہیں ہوتی، یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے بائنہ نہیں ہوتی۔ عدت والی طلاق میں عدت گزارنے کے بعد خود بخود تسریح ہو جاتی ہے یعنی عدت گزری اور وہ شوہر کی زوجیت سے آزاد ہوگئی۔ عدت والی طلاق میں طلاق سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ عدت گزرنے سے نکاح ٹوٹتا ہے اس لئے جب عدت کے اندر نکاح باقی ہے تو عورت تنہائی میں شوہر کے پاس آکر اس سے

معذرت کرسکتی ہے اس کے پاؤں پکڑ سکتی ہے۔ عورت اگر طلاق دینے والے شوہر سے لپٹ جائے تو اس سے امساک نہیں ہوجاتا جب تک شوہر اپنے ارادے سے اس کو نہ لپٹا لے۔ امساک شوہر کا بالارادہ فعل ہے اگر کسی دوسری بیوی کے دھوکے میں شوہر نے اپنی مطلقہ بیوی کو لپٹا لیا یا بوسہ لے لیا اور وہ اس کو امساک نہیں قرار دیتا ہے تو امساک نہ ہوگا مگر دوسری بیوی کے دھوکے میں اگر اس نے اپنی مطلقہ سے اس کی عدت کے اندر مجامعت کرلی ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ اس کو امساک قرار دے اور امساک سے انکار نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مجامعت سے استقرار حمل اس کو ہوگیا ہو اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس وقت اظہار امساک نہ کرے امساک کے اعلان کو آثار حمل نمایاں ہونے پر اٹھا رکھے کیونکہ آثار حمل عدت گزرنے کے بعد نمایاں ہوں گے تو کیا وہ عدت گزر جانے کے بعد امساک کرے گا؟

انہیں مصلحتوں کی بنا پر شوہر کو حکم ہے کہ ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن عدت کے اندر اپنی مطلقہ کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ من بیوتھن اسی لئے فرمایا گیا کہ عدت کے آخری لمحے تک نکاح جب باقی رہتا ہے تو شوہر کا گھر جس طرح طلاق سے پہلے ان کا گھر تھا اسی طرح طلاق کے بعد بھی عدت تک شوہر کا گھر ان کا گھر ہے وہ اپنے گھر سے عدت کے اندر نہ نکلیں۔ ارتکاب فاحشہ کی حالت میں جو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ شوہر گھر سے نکال دے سکتا ہے یا وہ خود بھی باہر نکل جاسکتی ہے اور اپنے میکے چلی جاسکتی ہے یہ صرف اس لئے کہ بصورت ارتکاب فاحشہ شوہر اس کو اپنے گھر میں رکھنا شاید پسند نہ کرے یا وہ عورت ہی اب اس گھر میں رہنا پسند نہ کرے۔ ورنہ اس حالت میں بھی شوہر کو یہ حکم نہیں کہ کھلی فحش حرکت کے ارتکاب کی صورت میں اس کو گھر سے نکال دو' نہ اس عورت کو حکم ہے کہ وہ ایسی صورت میں اس گھر سے نکل جائے کیونکہ ارتکاب فاحشہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

غرض اس کا مطلب یہی ہے کہ جب طلاق کے بعد بھی زن و شو ایک

جگہ رہیں گے یعنی ایک ہی گھر میں اور دونوں کو معلوم ہے کہ عدت تک نکاح باقی ہے اسی لئے عورت طلاق دینے والے شوہر سے پردہ بھی نہیں کرتی ہے سامنے آتے جاتے یا تخلیہ ہی میں عورت شوہر کا دامن پکڑ لے سکتی ہے' پاؤں پکڑ لے سکتی ہے' سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جا سکتی ہے' اپنی سرکشی و نافرمانی پر ندامت کا اظہار کرکے معافی مانگ سکتی ہے' شوہروں کو بھی اس پر ترس آسکتا ہے' اگلی محبت یاد آسکتی ہے۔

یہ ساری صورتیں تین حیضوں ہی کی عدت میں زیادہ متوقع ہیں۔ اگر تین مہینے کی عدت رکھی جاتی تو گنتی مہینوں کی ہوتی۔ اس درمیان میں حیض بھی آتے اور موقوف بھی ہوتے اور موقوفی حیض کے بعد فطری مطالبے کا زور بھی ضرور ہوتا۔ مگر خیال کا بڑا اثر ہوتا ہے مہینوں کے آنے جانے سے کوئی نفسیاتی اثر اس مطلقہ پر نہیں پڑ سکتا۔ بخلاف حیض کے کہ ایام حیض کے بار بار آنے سے اور انھیں کے شمار میں آنے سے اور انھیں کے بعض فطری نفسانی خواہش کے ہیجان اور مطالبے سے عورت کے نفس پر زبردست اثر پڑنے کی بہت زیادہ توقع ہے' چونکہ طلاق عورت کو اسی کی سرکشی و نافرمانی و زبان درازی یا کوتاہی خدمت یا سخن ناشنوائی کے باعث شوہر نے دی ہے۔ اس لئے عورت اسباب طلاق خوب سمجھتی ہوگی۔ طلاق سے پہلے شوہر نے اس کو جن جن ناشائستہ باتوں سے بار بار منع کیا تھا وہ ساری باتیں اس کو ضرور یاد آتی ہوں گی۔ طلاق سے پہلے اگر دونوں طرف کے حکموں نے مصالحت کی کوشش کے وقت اس عورت کو کچھ نصیحتیں کی ہوں گی تو وہ نصیحتیں بھی اس کو ضرور یاد آتی ہوں گی۔ اگر طلاق احصاء کردہ حیض کے فوراً بعد دی گئی ہے تو ٹھیک ہیجان خواہش کے وقت دی گئی ہے اور جس طرح اس حیض کے پہلے ایک پورا طہر مجامعت سے خالی گزرا ہے اسی طرح جس طہر کے آغاز میں طلاق واقع ہوئی یہ پورا طہر بھی مجامعت سے خالی ہی رہے گا۔ اب جو عدت طلاق کا پہلا حیض آئے گا تو ضرور عورت کو اس کا خیال ہوگا کہ اس حیض کے بعد والا طہر بھی خالی ہی گزرے گا اور یہ مطالبہ فطری سے محرومی اس کو خود اس کی ضد اور ہٹ دھری پر قائم رہنے ہی کے باعث ہو رہی ہے۔ ہر حیض اس کو اپنے فطری مطالبے کی محرومی سے ڈرائے گا یہ فائدہ مہینوں کے حساب سے عدت میں کہاں ہو سکتا۔

سخن شناس نئی دبرا خطا ا -ینجاست

اس کے علاوہ اس کے علاوہ طلاق دینے کا وقت بھی ایک احصاء کردہ حیض کے بعد مقرر کرنا اور پھر عدت طلاق بھی تین حیض مقرر کرنا اس کی طرف بھی ایک

اشارہ ہے کہ ایسی عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو چاہے بڑھاپے کے باعث چاہے نابالغیت کے سبب سے چاہے بیماری کی وجہ سے' حتی الوسع ان کو طلاق نہ دو۔ بوڑھی غریب تم سے طلاق پاکر کہاں جائے گی اور کس کے پاس جائے گی' دوسرا کون اس سے نکاح کرے گا۔ اس کی زندگی خراب نہ کرو جو بیمار ہو وہ دوا و علاج کی محتاج' ہمدردی اور تیمارداری کی مستحق ہے نہ کہ طلاق کی۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی حمیت کے خلاف ہے کہ ایک بیمار عورت کو تم طلاق کی سوہان روح تکلیف دو' نابالغہ تعلیم و تربیت کی مستحق ہے نہ کہ طلاق کی' غریب تو ابھی نکاح ہی کا لطف نہیں جانتی۔ طلاق کی اہمیت کیا سمجھے گی۔ غرض حیض کا اعتبار طلاق کی عدت میں کرکے ایک بڑی اخلاقی تعلیم بھی اشارتاً دے دی گئی۔ اگر مہینوں کے حساب سے عدۃ طلاق مقرر کی جاتی تو اس کے ذریعے یہ اخلاقی تعلیم غیر ممکن تھی۔

اسی طرح حالت حمل میں بھی طلاق دینے سے اشارتاً روکا گیا ہے کہ تمہاری حاملہ بیوی تمہاری امانت اپنے رحم میں رکھے ہوئے ہے۔ ولادت کے بعد تم اپنے بچے کی پرورش و پرداخت میں اس کی اپنے ساتھ موجودگی ضروری سمجھوگے۔ اس لئے اس کو بحالت حمل طلاق نہ دو۔ ہو سکتا ہے کہ طلاق کی خبر سے اس کو ایسی قلبی تکلیف پہنچے کہ روتے روتے بیمار پڑ جائے اور اس کا اثر اس کے پیٹ کے بچے پر پڑے۔ اگرچہ حیض محصنی کے بعد طلاق دینے سے امید کم ہے کہ بحالت حمل طلاق واقع ہو مگر اتفاقاً ہی سہی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ بحالت حمل دو مہینے تک کچھ نہ کچھ حیض آجائے یا وہ خون حیض کا نہ ہو' بلکہ بیماری کا ہو اور حیض سمجھ کر شوہر نے اس کے بعد طلاق دے دی ہو اور طلاق کے مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد آثار حمل ظاہر ہونے لگے ہوں۔ اسی لئے عورتوں کو سختی کے ساتھ حکم ہوا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کی بازپرس پر ایمان رکھتی ہو تو اپنے حمل کو اپنے طلاق دینے والے شوہر سے پوشیدہ نہ رکھو۔ یہ اسی لئے حکم ہے کہ شوہر نے اگر لاعلمی میں طلاق دے دی تھی بعد کو حمل حال کا معلوم ہوگیا تو اب وہ اپنے بچے کی پرورش و پرداخت کے خیال سے امساک کرلے اور اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلے۔

غرض یہ سب فوائد اسی صورت میں حاصل ہوسکتے تھے کہ عدت طلاق حیضوں کی گنتی کے حساب سے ہو نہ کہ مہینوں کی گنتی کے حساب سے۔

۴۔ قولہ تعالیٰ ولا یحل لھن ان یکتمن اور ان مطلقات کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا حمل شوہر سے پوشیدہ رکھیں۔ چونکہ یہ حکم مطلقات ہی کو ہے لھن اور یکتمن کی ضمیریں مطلقات ہی کی طرف پھر رہی ہیں اس لئے غیر مطلقہ بیویاں بھی ضمناً اس حکم میں داخل سمجھی جا سکتی ہیں مگر یہاں اصل مخاطب طلاقی ہی عورتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ شوہر ہی سے چھپانے کی ممانعت ہے نہ کہ "دائی" سے۔ اور اس کا مقصد اوپر بیان ہوچکا ہے۔

۵۔ قولہ تعالیٰ بعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا ط اور ان مطلقات کے شوہر ان کی واپسی کے (دوسروں سے) زیادہ حقدار ہیں' بشرطیکہ وہ سب لوگ ایسی واپسی میں اصلاح کی توقع رکھتے ہوں۔

یہاں بھی بعولتھن کی ضمیر المطلقت کی طرف اسی طرح پھر رہی ہے جس طرح ولا یحل لھن ان یکتمن کی دونوں ضمیریں پھر رہی ہیں اور المطلقت کے متعلق حاشیہ میں بیان ہوچکا ہے کہ الف لام جمع کے صیغے پر آیا ہے اس لئے مفید استغراق ہے۔ ہر مطلقہ یہاں مراد ہے۔ صرف غیر ممسوسہ اور حاملہ دو قسم کی مطلقہ مستثنیٰ ہیں کیونکہ از روئے قرآن ہی وہ مستثنیٰ ہیں۔ باقی ہر مطلقہ کے متعلق جس طرح ولا تحل لھن ان یکتمن کا حکم عام ہے اسی طرح یہاں غیر ممسوسہ اور حاملہ کے سوا ہر مطلقہ کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے وہی طلاق دینے والے شوہر اپنی مطلقات کی واپسی کے دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں' کوئی دلیل قرآنی ایسی نہیں مل سکتی کہ صرف وبعولتھن کی ضمیر کو عام المطلقت کی طرف پھیرنے کے باوجود ان کے صرف بعض مخصوص افراد کو مراد لیں۔

احق کا لفظ صیغہ اسم تفضیل ہے یہ کبھی اسم صریح کی حیثیت سے آتا ہے جیسے لوگوں کے نام احمد وغیرہ یا صرف صیغہ صفت کے لئے نہ ہو۔ اسم تفضیل کبھی من کے ساتھ آتا ہے جیسے الفتنۃ اشد من القتل۔ کبھی اضافت کے ساتھ

جیسے اشدالناس عداوۃ اور کبھی مفضول من کے ساتھ محذوف ہوتا ہے جیسے اللہ اکبر یعنی من غیرہ۔ اور کبھی مضاف الیہ محذوف ہوتا ہے جیسے "لہ اثنا عشر ولدا وعبداللہ اکبر" اکبر اولادہ۔

مگر معنی تفضیل سے معری اسم تفضیل کبھی نہیں آتا البتہ رنگ یا عیب کا ایسا لفظ جس کا صیغہ صفت افعل ہی کے وزن پر آتا ہو جیسے اسود' احمر' ابیض' احمق وغیرہ کہ ان کا صیغہ صفت کسی دوسرے وزن پر نہیں آتا۔ اس لئے یہ اسم تفضیل ہی نہیں ہیں۔ صیغہ صفت ہی ہیں۔ بخلاف احسن' اقبح' اجمل' اکمل' انقص وغیرہ کے کہ یہ سب اسم تفضیل ہیں اس لئے کہ ان کے صیغہ ہائے صفت حسین' قبیح' جمیل' کامل' ناقص موجود ہیں اس لئے یہ سب اسمائے تفضیل ہیں اور اسم تفضیل مفہوم تفضیل سے معریٰ کبھی نہیں ہوتا۔ احق کا صیغہ صفت حقیق موجود ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ احق کو بلاوجہ اور بلا دلیل اس کے معنی وضعی کے خلاف اپنا مفہوم نکالنے کے لئے معنی تفضیل سے معریٰ صرف صیغہ صفت حقیق کے معنی میں سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ حقیق ہو یا احق ہو دونوں کا مفہوم مقولہ اضافت سے ہے اور اس کی دہری اضافت ہوتی ہے ایک تو حقدار کی اضافت اسی چیز کی طرف جس کی حقداری کا دعویٰ کیا جاتا ہے'۔ دوسری اضافت ان لوگوں کی طرف جن کے مقابلے میں حقداری کا دعویٰ کیا جاتا ہے حقیق اور احق میں فرق اس قدر ہے کہ حقیق میں دوسرے حقداروں کے وجود کی نہیں بلکہ ان کے دعویٰ حقداری کی نفی مقصود ہوتی ہے اور صرف اپنی یا جس کی حقداری متکلم بیان کر رہا ہے اسی کی حقداری کے برحق ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور احق میں دوسرے حقداروں کا وجود اور ان کی حقداری تسلیم کرکے ایک کو دوسرے سے زیادہ حقدار ثابت کیا جاتا ہے مگر حقیق میں بھی دوسرے حقداری کے مدعیوں کی طرف ذہن ضرور جاتا ہے اور ان کا وجود بھی اور ان کے دعویٰ حقداروں کا وجود بھی ضرور مسلم ہوتا ہے لیکن ان کے دعویٰ حقداری کی صحت سے صرف انکار مقصود ہوتا ہے جس طرح سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اپنے

متعلق کہا کہ حقیق ان الا اقول علی اللہ الا الحق میں اس کا حقدار ہوں کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں حق ہی کہوں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لوگ اللہ کی طرف سے کوئی حق بات بھی بولنے والے تھے ہی نہیں یا اس وقت اس کے مدعی لوگ نہ تھے مگر دوسرے مدعیان حق گوئی کے دعوے کی صحت سے انکار ہے۔

مگر یہاں تو احق کا لفظ ہے اس لئے دوسرے حقداروں کا وجود اور ان کے دعویٰ حقداری کی فی الجملہ صحت یہاں تسلیم کرنی پڑے گی۔ حقداری کے وجوہ مختلف ہوسکتے ہیں۔ کوئی مدعی حقداری قرب قرابت کے باعث کوئی دولت کی بدولت' کوئی جاہ و منصب کے اعتبار سے اور کوئی علم و فضل کی حیثیت سے ہوسکتا ہے اور بردھن کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ حقداری اس عورت کی خواہش مندی اور اس سے نکاح کرکے اس کو اپنی زوجیت میں لینے ہی کہ یہاں مقصود ہے۔ شوہر ان سب خواہش مندوں سے اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی مطلقہ اسی کے پاس واپس جائے۔

یہ کہنا کس قدر لغو اور مہمل ہے کہ شوہر خود اس مطلقہ سے زیادہ حقدار ہے یعنی جتنا حق اس مطلقہ کو اپنے نفس پر ہے اس سے زیادہ اس طلاق دینے والے شوہر کو اس کے نفس پر حق ہے۔ کیسی لایعنی اور مہمل بات کہی گئی ہے اور کیسے کیسے اکابر مفسرین نے فرمائی ہے۔ اتنا سوچتے کہ یہاں احق بردھن ہے احق بانفسھن نہیں ہے۔

معمولی اور سرسری نظر سے انسان سمجھ سکتا ہے وبعولتھن احق بردھن کا مطلب یہ ہے کہ بعولتھن احق من الاحقاء بردھن یعنی شوہر اپنے ہر شریک فی الحق سے زیادہ حقدار ہے اور اس کے شریک فی الحق وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اس کی طرح اس کی مطلقہ کو اپنی زوجیت میں لانا چاہتے ہوں کیا وہ عورت آپ اپنے کو اس شوہر کی طرح جس نے اس کو طلاق دی ہے اپنی زوجیت میں لانے کی خواہش مند ہوسکتی ہے۔

بردھن   رد فعل متعدی ہے اس کا مفہوم تین چیزوں کا طالب ہے' رد کرنے والا یعنی واپس کرنے والا' وہ جس کو واپس کیا جائے اور وہ جس کے پاس وہ چیز واپس کی جائے عورتیں خود اپنا نکاح کسی مرد سے عموماً نہیں کرتیں مردوں کو حکم ہے وانکحوا الایامی منکم اپنی بے شوہر عورتوں کا نکاح کردو اس لئے واپس کرنے والے اس مطلقہ کے اولیاء ہی ہوسکتے ہیں اور واپس ہونے والی وہ مطلقہ ہی ہوگی اور جس کے پاس وہ واپس ہوگی وہ اس کا وہی طلاق دینے والا شوہر ہوگا۔

واپسی   ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ جاکر پھر اسی پہلی جگہ ہوا کرتی ہے۔ عورت طلاق پانے کے بعد شوہر ہی کے گھر میں عدت کے آخری لمحے تک رہتی ہے نہ شوہر کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس کو اپنے گھر سے نکال دے' نہ خود اس کو اس کی اجازت ہے کہ شوہر کے گھر سے اپنے اولیاء کے پاس عدت کے اندر چلی آئے۔ تو جب تک عدت باقی ہے وہ شوہر کے نکاح میں ہے' شوہر اس کا شوہر ہے اور وہ مطلقہ اپنے اس طلاق دینے والے شوہر کی بیوی ہے۔ ایسی حالت میں اس عورت کا کوئی دوسرا حقدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ یہ مطلقہ شوہر کے گھر سے باہر گئی ہے کہ عدت کے اندر پھر شوہر کے گھر واپس آئے گی۔ شوہر سے اس کا نکاح بھی نہیں ٹوٹا ہے کہ کہا جائے کہ مراد زوجیت میں واپس آنا ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ آیت عدت گزرنے کے بعد جب شوہر تسریح کرکے اپنے مطلقہ کو اس کے اولیاء کے گھر رخصت کردے اور اب جہاں دوسرے امیدوار پیغام نکاح اس کے پاس بھیج رہے ہوں وہاں پھر اس شوہر نے بھی اپنے طلاق دینے کی غلطی محسوس کی ہو اور وہ دوبارہ اس سے نکاح کا پیغام بھیجا ہو ایسی حالت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وبعولتھن احق بردھن ان مطلقات کے شوہر (دوسروں سے) ان کی واپسی کے زیادہ حقدار ہیں وہ تسریح پاکر شوہر کی زوجیت سے عدت کے بعد نکل چکی ہیں اور شوہر کے گھر سے رخصت ہوچکی ہیں۔ دونوں کے درمیان نکاح کا رشتہ تھا ٹوٹ چکا ہے اب ان کے اولیاء کے ذمے وانکحوا الایمی منکم کے حکم کے مطابق

اس بے شوہر مطلقہ کا کسی سے نکاح کر دینا فرض ہے۔ اس لئے اس کے اولیاء نے اس کے متعلق ادھر ادھر لوگوں سے بات چلانا شروع کر دی۔ پیغام کئی جگہ سے آئے اور اس طلاق دینے والے شوہر نے پھر اپنا پیغام بھیجا ایسی حالت میں ایک رائے یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس پہلے شوہر کا تجربہ ہوچکا ہے اس کے ساتھ نباہ نہ ہوسکا آزمودہ را نیاید آزمود۔ اس لئے کسی نئے شخص سے رشتہ قائم کرنا چاہئے۔ اس رائے کو نامناسب قرار دے کر فرمایا گیا کہ نہیں دوسروں سے وہی پہلا شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی مطلقہ پھر اسی کی زوجیت میں واپس آئے۔ بہرحال نہیں بلکہ :

فی ذلک ان ارادوا اصلاحا اسی واپسی میں اگر یہ مطلقہ اور اس کے اولیاء دونوں زن و شو کے درمیان اصلاح کی توقع رکھتے ہوں جب فی ذلک یعنی فی ذلک الردان ارادالوادون (وهم اولیاء تلک المراة) اصلاحا بین هذه المراة وزوجها السابق الذی طلقها یعنی اشارہ رد یعنی واپسی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ واپس کرنے والوں نے جو اس عورت کے اولیاء ہوسکتے ہیں اگر اس عورت کی اسی پہلے شوہر کی طرف واپسی ہی میں اس عورت اور اس کے پہلے شوہر کے درمیان اصلاح حال کی توقع رکھتے ہوں۔

الارادة کے معنی توقع بہت دائر و سائر ہیں۔ جیسے ہابیل و قابیل کے ذکر میں ہے انی ارید ان تبوء باثمی واثمک اور سورہ دہر میں ہے لا نرید منکم جزاء ولا شکورا اور ارشاد ہے ومن یرد ثواب الدنیا نوته منها اور اسی میں ہے فوجدا فیها جدارا یرید ان ینقض اتنی مثالیں کافی ہیں اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید ہی سے مل سکتی ہیں چاہنے کے معنی تو بہت متعارف ہیں اگر یہاں بھی " چاہنے" ہی کے معنی لئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی ترجمہ یوں کیا جائے اگر وہ لوگ اصلاح چاہتے ہوں" اور اگر "ارادہ" ہی کے معنی لیجئے جب بھی میرا کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ یعنی ترجمہ یوں کیجئے "اگر وہ لوگ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں اسی

واپسی میں" لیکن "توقع" کا مفہوم زیادہ چسپاں ہے اس لئے کہ فوری اصلاح تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آئندہ دونوں زن و شو صلح اور باہمی اصلاح حال کے ساتھ رہیں اس کی دوسرے لوگ توقع ہی کر سکتے ہیں۔ زمانہ آئندہ کے متعلق توقع کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے اور اصلاح حال کے ساتھ رہنے کا ارادہ تو صرف وہ دونوں زن و شو ہی کر سکتے ہیں۔ اولیاء بے چارے صرف چاہ سکتے ہیں یا توقع رکھ سکتے ہیں اور آئندہ کے متعلق توقع سب رکھ سکتے ہیں مگر "چاہنے" سے توقع کا مفہوم یہاں زیادہ بلیغ ہے۔ اس لئے میں نے ترجمہ میں توقع ہی کا لفظ رکھا ہے۔

مفسرین کے سامنے بھی یہ واضح اور روشن تفسیر ضرور تھی وہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ مگر ان کے دماغ پر روایات اور روایات کے ماتحت فقہیات اس حد تک مسلط تھے کہ وہ ان کے ماتحت ہی ہر جگہ قرآن کو سمجھتے تھے۔ یہاں وہ ان کے خلاف کس طرح سمجھتے وہ اس واضح و صحیح تفسیر سے بہت گھبرائے کہ اس تفسیر سے تو صرف اسی ایک آیت سے روایات و فقہیات متعلقہ مسئلہ طلاق کا سارا قلعہ منہدم ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے امام رازی و علامہ زمخشری وغیرہ نے اس کا ذکر تک نہ کیا کہ بعولتھن کی ضمیر کدھر پھرتی ہے۔ پتھر بہت بھاری تھا اس لئے چوم کر چھوڑ دیا۔ مگر قاضی بیضاوی نے اس کا تو اقرار فرمایا کہ بعولتھن کی ضمیر المطلقت کی طرف پھرتی ہے مگر فرمایا کہ والضمیر اخص من المرجع یعنی المطلقت یتربصن میں اگرچہ المطلقت عام ہے ہر مطلقہ پر تربص فرض ہے (غیر ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا) مگر یہاں وبعولتھن کی ضمیر سے مراد ہر مطلقہ نہیں ہے بلکہ رجعی طلاق پانے والی مطلقہ مراد ہے۔ بائنہ و مغلظہ طلاق پانے والی یہاں مراد نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں بائنہ و مغلظہ طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ قرآن کے رو سے تو جو مدخولہ عورت بھی شوہر سے طلاق پاتی ہے رجعی ہی طلاق پاتی ہے کیونکہ صاف طور سے پورے عموم کے ساتھ فرمایا گیا ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف اوسرحوهن بمعروف تم لوگ اپنی عورتوں کو جب

طلاق دو تو جس وقت وہ اپنی عدت کے خاتمے کے وقت تک پہنچ جائیں تم ان کو منصفانہ دستور کے مطابق روک لو یعنی اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلو' یا ان کو آزاد کر کے رخصت کردو۔ اس آیت میں اذا طلقتم کا لفظ پورے عموم کے ساتھ ہر اس طلاق پر حاوی ہے جو شوہر اپنی مرضی سے اپنی مدخولہ بیوی کو دے۔ تو پھر اس آیت کریمہ کے سامنے بائنہ و مغلظہ اور تین طلاق پانے والی کے متعلق روایات و فقہیات کا انبار تو بالکل ھباء منثورا بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔

قاضی بیضاوی نے یہ تو لکھدیا کہ یہاں ضمیر خاص ہے اور مرجع عام۔ مگر یہ خلاف عقل بات ان کو خود کھٹکی اس لئے اس کے بعد صرف اتنا لکھدیا کہ ولا امتناع فیہ یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حالانکہ بہت بڑا مضائقہ ہے۔ امتناع ہے اور صراحتاً امتناع ہے۔ اگر امتناع نہیں ہے تو کوئی مثال کیوں نہیں پیش فرمائی؟ ضمیر اپنے مرجع کی قائم مقام ہوتی ہے۔ ضمیر کو ہٹا کر مرجع کو وہاں پر رکھ دے سکتے ہیں تو آپ وبعولتھن کی ضمیر کو ہٹا کر اس کے مرجع یعنی المطلقت کو یہاں رکھ دیجئے اور کہئے وبعولتہ المطلقت احق بردھن اور چونکہ مرجع میں الف لام استغراق کا ہے اس لئے یہاں بھی وہی لام رہے گا۔ یہاں آکر وہ لام عہد نہیں بن جا سکتا تو اگر بقول حضرت قاضی صاحب یہاں ضمیر خاص ہے تو اس کی جگہ وہ مرجع عام آکر کس طرح سا سکتا ہے کسی ایسے کمرے میں جس میں بیس یا تیس آدمی سے زیادہ نہ بیٹھ سکتے ہوں آپ دس ہزار آدمیوں کی گنجائش کس طرح نکال سکتے ہیں؟ اس کا عکس ضرور ممکن ہے کہ ضمیر عام ہو اور مرجع خاص کیونکہ جس بڑے کمرے میں سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں وہاں آپ دس آدمیوں کو بخوبی بٹھا سکتے ہیں۔

لیکن قاضی صاحب نے جو ولا امتناع فیہ لکھدیا ہے وہ بالکل غلط نہیں ہے مگر قاضی صاحب نے امتناع کی جگہ پر لا امتناع فیہ جو لکھ دیا ہے یہ غلطی کی ہے۔ مرجع عام اور ضمیر خاص بالکل ممتنع نہیں ہے ایسا ہو سکتا ہے مگر یہاں ہو سکتا ہے جہاں وہ ضمیر خود ایسی ہو کہ مرجع کے انہیں بعض افراد کی طرف پھر سکتی ہو جو اس ضمیر کے اصل مرجع ہیں اور اس ضمیر کے بعد مرجع کے وہ افراد جن کی طرف یہ

ضمیر پھر رہی ہے لفظاً مذکور ہوں جیسے وان کن نساء فوق اثنتین کن کی ضمیر پھر رہی ہے اولاد کی طرف مگر مرجع کے مطابق ضمیر نہیں آئی مرجع کے مطابق ضمیر ہوتی تو کن کی بجائے کانت یا کانو ہوتا۔ یہاں ضمیر خود بتا رہی ہے کہ مرجع کے بعض افراد مراد ہیں پھر مرجع کے ان افراد کو لفظاً نساء" کہکر ذکر بھی کر دیا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مرجع تو عام ہو اور ضمیر بھی مرجع کے مطابق ہو وہ ضمیر نہ خود اس مرجع کے بعض افراد کی نشاندہی کر رہی ہو نہ ضمیر کے بعد کوئی ایسا لفظ مذکور ہو جس سے ضمیر کی خصوصیت معلوم ہو مگر خواہ مخواہ بلا دلیل ضمیر کو مرجع سے خاص تسلیم کر لیا جائے تو یریدون ان یبدلوا کلام اللہ کی ذہنیت کیا آپ تفسیر میں نمایاں نہیں ہو رہی ہے۔ بہرحال ضمیر تو مرجع سے خصوصیت و عمومیت میں مختلف ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے جب خود قرآن مجید و بعولتھن کی ضمیر اور اس کے مرجع المطلقت دونوں کو یکساں رجعی ہی طلاق والیوں کے متعلق بیان فرما رہا ہے اور قرآن مجید نے غیر ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا ہر طلاق کو رجعی ہی قرار دیا ہے۔

احق کے متعلق تو میں لکھ چکا کہ کبھی تو یہ کہا گیا کہ یہاں احق حقیق کے معنی میں ہے۔ اسم تفضیل کی حیثیت سے آیا ہی نہیں۔ مگر اسم تفضیل کے صیغے کو مفہوم افضلیت سے معریٰ قرار دینے کی کوئی معقول وجہ ذہن میں نہ آئی تو کہا کہ مراد یہ ہے کہ وبعولتھن احق من انفسھن طلاق دینے والے شوہر مطلقات کی واپسی کے زیادہ حقدار ہیں خود ان مطلقات سے یہ صرف اس لئے کہ ان کو ثابت یہ کرنا ہے کہ یہ حکم عدت کے اندر کے لئے ہے۔ عدت کے بعد کے لئے نہیں۔ ورنہ المطلقت کے استغراقی عموم والے مرجع کی طرف و بعولتھن کی ضمیر پھر رہی ہے اور مرجع عام اور ضمیر خاص والی خلاف عقل بات کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ المطلقت میں ان کے نزدیک تین طلاق پانے والیاں بھی داخل ہیں اور روایات و فقہیات ان کے حلالہ کے بغیر اس پہلے شوہر کے پاس واپس جانے کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہدو کہ یہ آیت عدت کے اندر کے لئے ہے عدت کے بعد کے لئے نہیں۔ حالانکہ جب مرجع کو عام اور ضمیر کو خاص قرار دے کر اس آیت کے حکم کو رجعی ہی طلاق

والیوں کے لئے مخصوص کر رہے ہیں تو راویوں کی خود ساختہ بائنہ اور مغلظہ اور تین طلاقیں سب تو بلا دلیل حسب تحکم مفسرین و بعولتھن کی ضمیر عام سے مستثنیٰ ہو ہی گئی ہیں تو رجعی طلاق والیوں کو جس طرح عدت کے اندر امساک کر لینے یعنی رجوع کر لینے کا حق شوہر کو ہے اسی طرح عدت کے بعد ان سے دوبارہ نکاح کر لینے کا حق بھی بشرط تراضی طرفین حاصل ہے اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس آیت کے حکم کو مخصوص بزمانہ عدت کیا جائے' مگر اپنی استدلالی واضح کمزوریوں کا علم الیقین مفسرین کو مجبور کر رہا تھا کہ ضمیر خاص اور مرجع عام بھی کہو اور یہ بھی کہو کہ یہ حکم عدت کے اندر کے لئے ہے تاکہ دو کمزور باتیں باہم مل کر کچھ قوت حاصل کر لیں اور جو کسی ایک سے مطمئن نہ ہو وہ دوسری بات سے شاید مطمئن ہو جائے۔

**بردھن** پھر رد کے لفظ سے مفسرین گھبرائے کہ عدت کے اندر تو مطلقہ شوہر ہی کے گھر میں رہتی ہے اور جب اس آیت کو رجعی طلاق کے لئے مخصوص کرتے ہیں تو رجعی طلاق میں نکاح بھی عدت تک باقی رہتا ہے تو پھر اس واپسی کا کیا مفہوم ہو گا؟ تو فرمایا کہ یہاں رد رجعت کے معنی میں ہے۔ رد کا لفظ یہاں مصدر مجہول ہے لیکن مصدر یا فعل مجہول کا فاعل گو مذکور نہیں ہوتا ہے مگر اس کا وجود تو ضرور ہوتا ہے۔ یہاں بعولتہ کو تو فاعل بنایا نہیں جا سکتا اس لئے کہ رد کرنے والا شے مردود کو اپنی طرف رد نہیں کرتا' کسی دوسرے کی طرف رد کرتا ہے۔ بالفرض عورت نے کھلی ہوئی بے حیائی کی ہو اور شوہر نے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہو تو اگر شوہر اس کو واپس بلائے گا تو اس کو رد نہیں کہہ سکتے اس کو استرداد کہیں گے۔
وبعولتھن احق بردھن کے معنی ہیں ان کے شوہر اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی مطلقہ انہیں کے پاس واپس کی جائیں۔ لفظی ترجمہ یوں سمجھئے کہ ان کے شوہر ان کے رد کئے جانے کے زیادہ حقدار ہیں" بردھن کے بعد الیھم کا لفظ محذوف ہے جو قرینے سے ظاہر ہے جس سے انکار جہالت یا ہٹ دھری ہے۔

رد کا ترجمہ جو رجعۃ مفسرین کرتے ہیں تو آخر کس طرح؟ رجعت

متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی۔ اگر لازم معنی مراد لیتے ہیں تو رد متعدی ہے اس لئے لازم رجعہ متعدی رد کی تفسیر نہیں ہو سکتا اور اگر متعدی رجعہ مراد لیتے ہیں تو فاعل شے مرجوع کو کسی دوسری جگہ جہاں سے وہ شے آئی تھی بھیجے گا تب کہیں گے رجعه الیه اور اگر اپنی طرف وہ کسی چیز کو واپس لائے گا جو چیز اس کے پاس چلی گئی تھی تو اس کو استرجاع کہیں گے رجعته الی رجع عبدالله امراته الیه کوئی عربی دان نہیں بولے گا۔ رجعت یا رجوع کی اصطلاح جو اگلوں نے قائم کی اس کے معنی مطلقہ کو واپس لانے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے جو طلاق دے کر ارادہ قطع تعلق کا اظہار کیا تھا' شوہر نے اس ارادے سے رجوع کرلیا۔ البتہ ارجعته الی یا راجعته الی کہہ سکتے ہیں۔ مگر رجعہ الی نہیں کہہ سکتے۔

**فی ذلک** میں لکھ چکا ہوں کہ ذلک کا مشار الیہ رد کا لفظ اس اسم اشارہ سے دو ہی لفظ پہلے موجود ہے۔ یہاں مراد فی ذلک الرد ہے اور اس کا تعلق جملہ شرط سے ہے جو اس کے بعد مذکور ہے یعنی ان ارادوا اصلاحا سے ظرف مقدم افادہ معنی حصر کے لئے آیا ہے یعنی اگر اسی واپسی میں دونوں کی باہمی اصلاح کی لوگوں کو توقع ہو مگر مفسرین کو یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ حکم عدت طلاق کے اندر کے لئے ہے۔ عدت کے بعد کے لئے نہیں اس لئے انہوں نے اس ذلک کا مشار الیہ پچاس لفظ اوپر شروع آیت میں جو والمطلقت یتربصن ہے۔ اس یتربصن کے پیٹ سے اس کے مصدر تربص کو نکال کر بنانا چاہا۔ اس غریب نے کہا کہ ہم تو مصدر ہیں فی ذلک کا مشار الیہ تو کوئی ظرف زمان یا ظرف مکان ہونا چاہئے ہمیں کیوں آپ لوگ گھسیٹ کر لے آئے؟ تو جھٹ سے اس پر زمان کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر زمان التربص کو فی ذلک کا مشار الیہ بنایا اور کہا کہ ای فی زمان التربص یعنی آیت کی عبارت کا نظم یوں درست کیا و بعولتھن احق بردھن فی زمان التربص ان ارادوا اصلاحا۔

مگر افسوس! کہ اتنے بڑے بڑے ائمہ عربیت آیات کو روایات کے تابع کرنے کی دھن میں اسم ضمیر اور اسم اشارہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو بالکل نظرانداز کر گئے اور آج تک مجھ سے پہلے کسی نے ائمہ مفسرین کی ایسی فاحش مسامحت کو مطلق محسوس نہ کیا۔ نہ شناسد کس انداز قدش پیش ازیں

اسم ضمیر اپنے مرجع کا نائب ہوتا ہے ضمیر کو ہٹاکر ہی آپ مرجع کو رکھیں گے ایسا نہیں ہوسکتا کہ ضمیر بھی رہے اور مرجع بھی رہے قل ھواللہ احد سے کوئی صاحب دھوکا نہ کھائیں اللہ کا لفظ ھو اسم ضمیر کا مرجع نہیں ہے۔ مرجع ضمیر کے بعد نہیں آتا۔ ھو یہاں ضمیر شان یا ضمیر عماد ہے جو یہاں کاف بیانیہ کے مفہوم میں آیا ہے ورنہ کبھی اپنے مرجع کے بعد نہیں آسکتی اور نہ اپنے مرجع کے ساتھ آسکتی۔

اور اسم اشارہ اپنے مشار الیہ کا قائم مقام نہیں ہوتا بلکہ اگر وہاں پر مشار الیہ کا ذکر کر دیا جائے تو اسم اشارہ موجود رہے گا۔ اسی لئے اکثر اپنے مشار الیہ کے ساتھ اسم اشارہ آتا ہے جیسے ذلک الکتب۔ تو مفسرین نے جو فی ذلک کی تفسیر ای الزمان التربص لکھدی تو کیا وہ ذلک کو اسم ضمیر سمجھے؟ کہ اسم اشارہ کو غائب کرکے اس کی جگہ اس کے مرجع کو رکھ دیا؟ اگر فیہ ہوتا تو بے شک اس کی تفسیر ای فی زمان التربص ہوسکتی تھی۔ یہاں فی ذلک ہے۔ اگر آپ زمان التربص کو مشار الیہ بتاتے ہیں تو اسم اشارہ کو حذف کر دینے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔ اسم اشارہ کو اس کی جگہ پر باقی رکھتے ہوئے اس کے بعد ہر عربی دان اپنی دیانت سے کہے کہ یہ عبارت کیا صحیح ہوسکتی ہے؟ ہاں صحیح ہوتی اگر ایک ہی مطلقہ کے زمان التربص متعدد ہوتے اور کسی خاص "زمان التربص" کو معین کرنا مقصود ہوتا تو فی ذلک زمان التربص کہنا ضرور صحیح ہوتا مگر مطلقات کے تربص کا صرف ایک ہی زمانہ ثلثہ قروء ہوتا ہے اور اگر وہ غیر حائض ہو تو اس کے لئے ایک ہی زمانہ تربص تین مہینوں کا ہوگا اور اگر حاملہ ہو تو اس کے لئے ایک ہی زمانہ تربص وضع حمل تک کا ہوگا۔ ایک مطلقہ کے لئے کئی زمان التربص نہیں ہوتے۔ تو پھر اس متعین کو متعین

کرنے کے کیا معنی؟

٦۔ ٧۔ ٨۔ ٩۔ یہ چار حواشی اسی حاشیہ ۵۔ کے ضمن میں بیان ہوچکے ١٠۔ ١١۔ ١٢۔ قولہ تعالی ولھن مثل الذین علھن بالمعروف میں نے سابق حاشیہ میں لکھا ہے کہ ضمیر خاص ہو اور مرجع عام ایسا نہیں ہوسکتا ہے یہاں اس کا عکس جو جائز ہے یعنی لھن کی ضمیر عام ہے۔ ساری عورتیں اس ضمیر میں داخل ہیں مگر یہ عام عورتیں مراد ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی ہے وللرجال علیھن درجہ نہیں فرمایا جاتا۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق میں یکسانیت نہیں بتائی گئی ہے خود آپ دو چیزوں میں اکثر مماثلت بیان کرتے ہوں گے اور وہ مماثلت ان دونوں میں بعض ہی باتوں میں ہوتی ہوگی۔ ہر بات میں کبھی نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں دونوں کے حقوق میں صرف ذمہ داری کی مماثلت ہے اور اللہ تعالٰی کے حضور میں دونوں کے حقوق میں صرف ذمہ داری کی مماثلت ہے اور اللہ تعالٰی کے حضور میں دونوں سے باہمی حقوق کے متعلق باز پرس ہوگی جس طرح مردوں سے باز پرس ہوگی اسی طرح عورتوں سے بھی۔ ورنہ ہر ایک کا حق دوسرے پر ایک دوسرے سے مختلف ہے الا ماشاء اللہ ۔ اسی لئے بالمعروف کی قید لگادی کہ منصفانہ دستور کے مطابق دونوں کے حقوق میں۔

**البتہ** یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے ضرور عام ہے مگر مورد اس کا خاص مسائل طلاق کے سلسلے میں ہے اس لئے اس مورد خصوصی کو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ یہ آیت ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے بعض آئندہ آیات کے مضامین کے لئے۔

قرآن حکیم کا منشا یہ ہے کہ رشتہ نکاح مقولہ اضافت سے ہے زن و شو کے درمیان حتی الوسع زندگی بھر نباہنے کا میثاق اور زبردست میثاق ہوتا ہے لیکن کبھی ایک کو دوسرے سے یا دونوں کو ایک دوسرے سے ناموافقت طبائع کے باعث قلبی اذیتیں پہنچنے لگتی ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے یا صرف ایک ہی دوسرے

سے جدائی کا خواستگار ہو جاتا ہے' تو اگر شوہر جدائی کا خواستگار ہو تو اس کے لئے طلاق کی کھلی ہوئی راہ موجود ہے مگر اگر عورت ہی جدائی کی خواست گار ہو تو وہ غریب کیا کرے؟ اس کو تو شوہر کی طرح یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بھی شوہر کو طلاق دے دے جب چاہے۔ تو فرمایا کہ للرجال علیھن درجہ تو ضرور ہے کیونکہ اس نے اپنے ذمے مہر کی ایک معقول رقم لے کر اس رشتے کو قبول کیا ہے پھر زندگی بھر نان و نفقہ کا بار بھی اپنے سر پر رکھتا ہے اس لئے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو بیوی کو طلاق دے دے اس میں مالی گھاٹا اسی کا ہے زر مہر اس نے ادا کر کے جو کچھ پہلے بیوی کو دے چکا ہے از قسم زیورات و ملبوسات وغیرہ ان سب کے ساتھ عدت کے بعد اپنی مطلقہ کو رخصت کرنا ہو گا۔ حسن سلوک اور حسن اخلاق کے ساتھ۔

اگر عورت کو بھی مردوں کی طرح طلاق کا حق دے دیا جاتا تو وہ زر مہر وصول کر کے اور زیورات و ملبوسات لے کر شوہر کو طلاق دے کر اپنے والدین کے گھر بھاگ جاتیں اور خدا جانے اس طرح کتنے شوہروں کا ہر عورت سر مونڈتی رہتی اور کتنے والدین اپنی بیٹیوں کے ذریعے ڈاکہ مارا کرتے۔

اس لئے عورت کو یہ حق تو نہ دیا گیا کہ وہ بھی جب چاہے شوہر کو طلاق دے دے مگر شوہر سے طلاق لینے کا حق دیا گیا۔ اگر شوہر طلاق نہ دے تو وہ ایک حکم اپنی طرف سے ایک حکم شوہر کی طرف سے کھڑا کر کے ان حکموں کے ذریعے ورنہ حکام وقت کے ذریعے شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے اور اس سے طلاق لے سکتی ہے۔ عورت کے مطالبہ طلاق کو استطلاق کہنا چاہئے' مگر روایات میں اور روایات کے تحت فقہیات میں اس کا نام خلع رکھ دیا گیا ہے اگرچہ اس مفہوم کے اعتبار سے خلع کوئی قرآنی اصطلاح نہیں ہے افسوس یہ ہے کہ اس مسئلے میں قرآنی اصطلاحوں کو ترک کر کے دوسری تیسری اصطلاحیں قائم کر لی گئی ہیں اور ان اصطلاحوں کی تبدیلی سے قرآنی منشا بھی کسی قدر بعض جگہ باقی نہیں رہا ہے۔ مثلاً امساک کا مفہوم قرآنی یہ ہے کہ بیوی کو اپنی زوجیت میں روک لینا۔ اس کی جگہ پر

رجعت اور رجوع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ رشتہ نکاح منقطع کرکے بیوی کو اپنی زوجیت سے آزاد کرکے اپنے گھر سے اس کو رخصت کردینے کو قرآن مبین نے تسریح کہا ہے۔ بعض طلاقین جیسے غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاقیں تسریحی ہوتی ہیں کہ طلاق دیتے ہی رشتہ کٹ جاتا ہے اور طلاق دینے کے بعد اسی دن اس کو گھر سے رخصت کردینا لازم ہے۔ مگر تسریحی طلاق کو یہ لوگ بائنہ کہتے ہیں تسریحی نہیں کہتے۔ اس کے بعد اپنی غیر قرآنی بدعی اصطلاحوں کے مطابق مفہوم نکال کر مسائل استنباط کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک فقیہہ کا قول ہے کہ جب تک خلع کا لفظ استعمال نہ ہوگا اس وقت تک خلع کا حکم عائد نہ ہوگا اگر عورت نے خلع کا نہیں بلکہ طلاق کا مطالبہ کیا ہے اور شوہر نے طلاق دے دی خلع نہیں کہا تو خلع کا حکم عائد نہ ہوگا۔ طلاق کا حکم عائد ہوگا۔ یہ غایت روایت پرستی ہے۔

۱۳۔ واللہ عزیز حکیم یہ جملہ زن و مرد دونوں کی تسلی اور دونوں کی تنبیہہ کے لئے فرمایا گیا ہے یعنی مرد کی تنبیہہ اور عورت کی تسلی کے لئے۔ مرد کو جو اللہ نے ایک درجہ فضیلت دیا ہے اور ظاہری قوت اور غلبہ بھی تو وہ اپنی قوت اور اپنے غلبے کا غلط استعمال نہ کرے۔

یاد رکھ اے آسماں
تجھ پر بھی ہے ایک آسماں

ہر غالب کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔

اور عورتوں کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خالقانہ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ ہر چیز کو جوڑا پیدا کرے ہر جانور میں اس نے نر و مادہ پیدا کیا ہے اور نر کو قوی بنایا مادہ کو نازک اسی طرح انسانوں میں بھی' جس کو اس نے مرد بنایا اور جس کو اس نے عورت بنایا اپنی خالقانہ مصلحت اندیشی کے مطابق ہی بنایا ہے یہ کوئی ظلم نہیں ہے کہ ایک عورت کو کمزور و نازک بنایا اور دوسرے کو مرد قوی و توانا' یہ عین مقتضائے حکمت ہے۔

۱۴۔۱۵۔ قولہ تعالی الطلاق مرتن ط "الطلاق پر" لام عہد کا ہے اس کا معہود وہی طلاق ہے جس کی مطلقات پر ثلاثۃ قروء کا تربص فرض کیا گیا ہے جس طرح وہاں عام مخصوص منہ البعض کی حیثیت سے المطلقت کا لفظ آیا ہے اسی طرح یہاں الطلاق کا لفظ بھی عام مخصوص منہ البعض ہوگا اور دونوں جگہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ اسی طلاق کے متعلق فرمایا جا رہا ہے جس کی مطلقات پر ثلثۃ قروء کا تربص فرض ہے اور اگر لام استغراق لیجئے جب بھی عام مخصوص منہ البعض ہی ہوگا اور غیر ممسوسہ و مختلعہ دونوں اس عموم سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مال ایک ہی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ الف لام عہد کا تو ہے مگر اس کا معہود طلاق رجعی ہے کیونکہ اس کے بعد فامساک موجود ہے اور شوہر کو امساک کرنے کا حق رجعی طلاق ہی میں ہوتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک تو والمطلقت یتربصن میں استغراق کی وجہ سے ان خارج از قرآن روایات والی بائنہ و مغلظہ سب طلاقیں داخل ہیں اور باوجود بینونت تامہ و مغلظ کے بھی مطلقہ بائنہ و مبتوتہ و مغلظ کو عدت کرنی ہی پڑے گی۔ اس لئے اگر یہاں طلاق میں لام عہد ہے تو اس کا معہود اس المطلقت والیوں کی طلاق تو ہو نہیں سکتی تو پھر معہود کون اور کہاں ہوگا؟ وہ طلاق رجعی ہوگی جو پیچھے فامساک کے پیٹ میں چھپی ہوئی ہے۔ یعنی معہود عہد سے پیچھے فامساک کی آڑ میں چھپا ہوا ہے تو یہ نہ عہد ذہنی ہوا نہ عہد خارجی بلکہ عہد رافضی ہوا کیونکہ آگے سے بھاگ کر پیچھے ایک لفظ کی آڑ میں چھپا بیٹھا ہے۔

حالانکہ والمطلقت ہی میں طلاق رجعی مراد ہے میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاقوں کے سوا ہر طلاق قرآن مجید کی رو سے امساکی یعنی رجعی ہی ہوتی ہے اور عدت رجعی ہی طلاق پانے والیوں پر فرض ہے۔

**استدلال کی توضیح مزید** المطلقت یتربصن میں لام استغراق پھر الطلاق مرتن پر لام استغراق ہے لام عہد بھی کہئے تو چونکہ اس کے معہود پر لام استغراق ہے اس لئے یہاں بھی معہود کا استغراق عہد کو مستغرق کئے ہوئے ہے۔ اس عہد و

معہود کا رشتہ قوی جو الطلاق اور المطلقت والی طلاقوں کے درمیان ہے اپنے مفہوم استغراق کے ذریعے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا ہر طلاق کے بعد اس کی مطلقہ پر ثلثہ قروء کا تربص فرض ہے اور ہر وہ طلاق جس کی مطلقہ پر یہ تربص فرض ہے دو بار تک ہو سکتی ہے اور شوہر کو دوسری طلاق کے بعد بھی امساک یعنی رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے جس کی تائید پھر اسی طرح کی مفہوم استغراق کے ساتھ اسی سلسلے کی آیت ۲۳۱ کر رہی ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف اذا حرف شرط ہے مگر اذا میں ظرف زمان کا مفہوم بھی ہے اور شرط و جزا میں بھی استغراق ہی جیسا مفہوم پنہاں رہتا ہے یعنی وقوع شرط کے بعد وقوع جزا ضروری ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وقوع شرط ہو اور وقوع جزا نہ ہو۔ یہاں شرط طلاق کے بعد بلوغ اجل ہے اور جزاء عطف تردیدی کے ساتھ دو باتوں میں سے ایک کا حکم طلاق کے بعد بلوغ اجل ہو تو اب شوہر یا امساک کر لے یا تسریح کر دے دو میں سے ایک کام کرنا اس پر فرض ہے اس لئے غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے گا اس کو بلوغ اجل یعنی عدت کے آخری لمحے تک اس آیت کے رو سے امساک یعنی رجوع کر لینے کا حق باقی رہے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم صریح ہے کہ قرآن مجید کی تین تین آیتیں صراحتاً" فرما رہی ہے کہ ممسوسہ اور مختلعہ کے سوا شوہر اپنی جس بیوی کو بھی طلاق دے گا' جیسی طلاق بھی دے گا جب بھی دے گا جس طرح اور جتنی بار بھی دے گا وہ طلاق رجعی ہی ہوگی اور اس کے بعد شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کا حق رہے گا۔ مگر ہمارے فقہاء مخالف قرآن روایات کا اتباع کرتے ہوئے بائنہ و مبتوتہ و مغلظہ طلاقیں ایجاد کر کے اور پھر تین طلاق کا رواج قائم کر کے شوہروں کو قرآن مجید کے بخشے ہوئے حق رجوع سے مخالف قرآن مجید فتوے کے ذریعے محروم کر رہے ہیں اور يفرقون به بين المرء وزوجه کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ فالى الله المشتكى۔

۱۵۔ مرتٰن دو مرتبے ۔ کسی کام کی گنتی مقرر کر دی جاتی ہے اس لئے کہ وہ

کام اس سے کم مرتبے نہ ہو یا یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ مرتبے نہ ہو یا کمی و زیادتی دونوں کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ایام رضاعت حولین کاملیں٦؎ جو بتائے گئے ہیں اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ دو برس سے کم مدت میں دودھ بڑھائی نہ ہو' دو برس سے کم میں دودھ چھڑا دیا جا سکتا ہے مگر دو برس سے زیادہ مدت تک نہیں پلانا چاہئے۔

اور بعض معاملات میں دو گواہوں کی شرط بتائی گئی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ دو سے کم گواہ نہ ہوں دو سے زیادہ جتنے بھی ہوں بہتر ہے اور زانی کی سزا سو درے بتائی گئی ہے مگر نہ اس سے کمی کا کسی کو اختیار ہے نہ بیشی کا یہاں مرتن کہکر کمی بیشی دونوں کا انکار ہے ایسا کسی نے نہیں کہا۔ ایک ہی بار ایک ہی طلاق دے کر عدت پوری کرا دینا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے ہر شخص کے نزدیک اس لئے یہاں یقیناً دو سے زیادت ہی کی نفی مقصود ہے۔ اگر گنتی مقرر کرنے سے نہ کمی کی نفی مقصود ہو نہ زیادت کی تو پھر گنتی مقرر ہی کس لئے کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام لغو و مہمل نہیں ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیویوں کو عموماً تین ہی طلاق دیا کرتے تھے اور جب چاہتے تھے دے دیتے تھے اور کبھی تین سے بھی زیادہ دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار طلاقیں کہکر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبے کی حد بندی کرکے دو مرتبے سے زیادہ طلاق کے رواج کو منسوخ فرما دیا۔

**قرآنی اصلاح** قرآن مجید نے جہاں طلاق کی بعض دوسری قسمیں جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھیں ظہار اور ایلا' دو میں سے کسی کو بھی طلاق نہیں قرار دیا۔ پہلی بار ظہار کو بیہودہ بات قرار دے کر شوہر کو توبہ کرنے کی طرف اشارہ کیا وعدہ مغفرت کرکے۔ وعدہ مغفرت کے معنی ہی یہ ہیں کہ مجرم مغفرت کا طالب ہو اور اپنے فعل پر نادم ہو اور پھر ایسا نہ کرنے کا عہد کرے۔ دوبارہ ظہار کرنے پر کفارہ بتایا کہ کفارہ ادا کرکے بیوی کے پاس چلے جاؤ۔ ایلاء میں چار ماہ تک علیحدہ رہ کر بیوی کے پاس جانے کی اجازت دی گئی۔ کسی کو بھی طلاق قرار نہیں دیا گیا۔ خود شوہر اس کے

بعد طلاق کا عزم کرے یہ اور بات ہے۔

تین طلاق کے رواج کو بھی منسوخ کرکے اس کی حد بندی کر دی کہ دو مرتبے سے زیادہ کوئی طلاق نہ دے اور طلاق کے مفہوم کو بھی بدل دیا کہ شوہر اپنی مرضی سے اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق دے تو وہ زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق موجب فسخ نکاح نہ ہوگی بلکہ صرف ارادہ فسخ نکاح کا اظہار ہوگی۔ نکاح باقی رہے گا۔ شوہر کو مہلت دی جائے گی کہ وہ اپنے ارادہ فسخ نکاح پر بار بار غور کرے اور مناسب سمجھے تو اپنے اس ارادے سے باز آجائے۔ عورت کو اسی لئے تین حیض تک انتظار کے لئے حکم ہوا کہ اس مدت تک شوہر کے آخری فیصلے کا انتظار کرے شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی بیوی کو اپنی زوجیت میں روک رکھنے کا اور ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلینے کا حق دیا' اور طلاق دینے کا بھی وقت مقرر کر دیا کہ پہلے ایک پورے طہر کو مجامعت سے خالی رکھ لے' اس کے بعد جو حیض اس عورت کو آئے اور اس حیض بھی جب عورت پاک ہولے تب اس کو طلاق دے۔ طلاق دینے میں یہ اہتمام اسی لئے ضروری قرار دیا گیا کہ شوہر طلاق دے تو وقتی غصے کے ہیجان میں طلاق نہ دے بلکہ سوچ سمجھ کر طلاق دے اور پھر طلاق کے اعلان کے بعد بھی کچھ مدت تک سوچتا سمجھتا رہے۔ عورت کو بھی اس درمیان میں کافی موقع دیا گیا کہ وہ شوہر کی شکایتیں رفع کرنے کی اور اس کو اپنے سے راضی کرنے کی پوری کوشش اس درمیان میں کرلے۔ طلاق کے بعد جب عورت تین حیض کی مدت پوری کرے گی تب نکاح ٹوٹے گا۔ جس طرح نکاح سوچ سمجھ کر ہوا کرتا ہے اسی طرح طلاق بھی سوچ سمجھ کر ہی ہونا چاہئے۔ بے سوچے سمجھے غصے میں ایک لفظ تین بار منہ سے نکل جائے اور رشتہ نکاح جس کو میثاق غلیظ قرآن مجید میں کہا گیا ہے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے؟ باوجود اس کے نہ شوہر اس بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہے نہ وہ عورت اس شوہر سے علیحدگی کی خواہش مند ہے۔ شوہر کہہ رہا ہے کہ محض غصے میں منہ سے تین بار طلاق کا لفظ نکل گیا میں اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا ہوں' بیوی الگ رو رہی ہے شوہر الگ سر پیٹ رہا ہے مگر مفتی صاحب

تفریق بین الزوجین والے فتوے کا خنجر دونوں کے رشتہ میثاق غلیظ کو تار عنکبوت بنا کر ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ کیا یہ قرآن و سنت کے منشا کے مطابق کبھی ہو سکتا ہے جس اللہ تعالیٰ نے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر فرمایا ہے۔ جس رسول نے ہمیشہ صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ یسروا ولا تعسروا کیا اس طرح کی تفریق بین الزوجین کو روا رکھ سکتے تھے؟ کیا قرآن مجید کی صریح آیتوں کے خلاف کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین اور کسی صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی فتویٰ دیا ہوگا؟ مگر اولاد السبایا موالی قسم کے کوفی و بصری عجمی الاصل منافقین کی من گھڑت حدیثوں کے ماتحت کیا کچھ نہ ہوا۔

**مرتن** کے معنی اثنان یا طلاقان کے نہیں ہیں کہ اگر منہ سے لگاتار طلاق طلاق کہدی تو دو طلاقیں ہوگئیں۔ مرۃ کے معنی "باری" کے ہیں یعنی دو بار دو مرتبے' جس طرح جن شرائط کے ساتھ پہلی طلاق دی گئی ہے اسی طرح انہیں شرائط کے ساتھ دوسری بار طلاق دی جائے یعنی ایک ایسے حیض کے بعد جس سے پہلے طہر میں شوہر نے اس مطلقہ سے مجامعت نہیں کی ہے اس حیض کے بعد اس کو جس طرح پہلی طلاق دی تھی اسی طرح دوسری طلاق دوسرے حیض کے بعد دی جائے اور ان دونوں حیضوں کے درمیان یقیناً شوہر نے مجامعت نہ کی ہوگی۔ اس لئے کہ مجامعت تو کجا اگر بوس و کنار بھی کر لیا ہے اگر اس کو ہاتھ پکڑ کر اپنی گود میں بھی پیار سے بٹھالیا ہے تو اس نے امساک کرلیا۔ اس لئے پہلی طلاق باطل ہوگئی کیونکہ طلاق کے بعد امساک فسخ نکاح کے بعد تجدید نکاح نہیں ہے بلکہ صرف ارادہ فسخ نکاح کے اظہار کے بعد اس ارادے سے رجوع ہے۔ گناہ کرکے توبہ کرلینا اور بات ہے اور کسی گناہ کا صرف ارادہ ظاہر کرکے اس ارادے سے رجوع کرلینا اور بات۔ اس لئے امساک کے بعد اگر شوہر پھر طلاق دینا چاہے گا تو اگر امساک صرف زبانی اس نے کیا ہے یا فقط بوس و کنار کیا ہے مجامعت نہیں کی ہے تو وہ طلاق دے سکتا ہے مگر یہ اب اس کی پہلی طلاق ہوگی' پہلی طلاق امساک کے سبب سے باطل ہوچکی اور

اب عدت کا حساب اسی طلاق سے نئے سرے سے شروع ہو گا۔ اساک کے بعد پہلی طلاق جب باطل ہوگئی تو اس کے بعد سے جو عدت شروع ہوئی تھی وہ بھی اس اساک کے باعث ختم ہوگئی تھی۔ یہ سمجھنا کہ اساک کے بعد جب کبھی شوہر دوبارہ طلاق دے گا تو وہ دوسری طلاق ہوگی' اور پہلی طلاق کا حساب باقی رہے گا بالکل غلط ہے اگر پہلی طلاق کا حساب اساک کے بعد بھی باقی ہی رہے گا تو عدت کا حساب بھی جو پہلی طلاق سے شروع ہوا تھا اس کو بھی اساک کے بعد باقی رہنا چاہئے۔ یہ بھی متشددانہ تفقہ ہے کہ اساک کے بعد اگرچہ طلاق باقی نہ رہی مگر اس کا شمار معلق باقی رہے گا۔ اگر پندرہ بیس برس کے بعد بھی پھر کبھی ایک طلاق دیدی تو یہ دوسری طلاق ہوگی۔ یہ پیش بندی ہے تین طلاقوں کے نظریہ کی کہ کسی طرح بھی ایک شوہر اپنی عورت کو تین طلاق دیدے گا تو پھر وہ بغیر حلالہ کے اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ تو جب تک ازراہ پیش بندی پہلی ہی بار کے بعد اساک کے موقع پر قبل اساک والی طلاق کا شمار باقی نہ رکھا جائے تو اگر شوہر نے دوسری طلاق کے بعد بھی اساک کر لیا اور پھر طلاق دے دی چاہے بیس برس کے بعد ہی سہی تو تین طلاقوں کی گنتی جوڑ کر اس عورت کو شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس لئے اساک کے ازراہ تشدد و جذبہ تفریق بین الزوجین فقہاء نے اساک کے بعد پھر پہلی طلاق کا شمار باقی رکھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس چیز کا اثر باقی نہ رہے جس طلاق کی عدت تک ختم ہو جائے اس کا شمار باقی رہے۔

ہاں اگر مرتن سے زیادہ طلاق دینے پر کوئی وعید ہوتی کوئی سزا بتائی جاتی یا کفارہ بتایا جاتا تو ایسا اجتہاد صحیح ہوتا' یا جیسا نظریہ فقہاء نے روایات کی بنا پر قائم کر رکھا ہے کہ دو طلاقوں تک تو طلاق رجعی رہے گی اگر تیسری طلاق دیدے گا تو ہمیشہ کے لئے شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اگر یہ نظریہ کسی قرآنی آیت سے بھی واقعتاً ثابت ہوتا جب بھی یہ تشدد کھپ سکتا' چنانچہ روایات کا آیات کو تابع کرتے ہوئے مفسرین نے فان طلقھا جو خلع کرنے والے اور خلع کرانے والی کے متعلق فرمایا گیا ہے اس کو اس "مرتن" سے خلاف اصول ادب عربی غلط طریقے سے جوڑ کر

اس کے بعد اپنی طرف سے تفسیر میں طلقته ثالثه کا لفظ بڑھا کر تیسری طلاق کا مفہوم زبردستی نکالتے ہیں حالانکہ اگر واقعی فان طلقها سے تیسری طلاق مراد ہوتی اور اس فائے تعقیب کا عطف الطلاق مرتن پر ہوتا تو فان طلقها کبھی نہ کہا جاتا' جس طرح ہر جگہ طلاق دینے والوں کو بصیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب فرمایا گیا جیسے ولا یحل لکم وغیرہ میں اسی طرح بیان بھی فان طلقتموهن فرمایا جاتا اور اس کے بعد ثالثۃً کا لفظ ضرور فرمایا جاتا یا طلقته ثالثه صاف طور سے کہا جاتا۔ یہ جگہ مفعول مطلق کے حذف کی ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ فان طلقتموهن کہنے سے وہی دوبار طلاقوں کا دینا سمجھا جاتا کبھی تیسری بار طلاق دینا نہیں سمجھا جا سکتا اس لئے لفظاً طلقته ثالثه آیت میں موجود ہونا ضروری تھا نہ کہ مفسرین اپنی طرف سے اضاف کریں۔

**دوسری طلاق کا مقصد** دوسری طلاق کوئی مستقل طلاق نہیں' چونکہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کو موکد اور سخت تر ثابت کرنے کے لئے کم سے کم تین طلاقیں تو ضرور دیتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیا کرتے تھے جس کا اس کے سوا ان کا کچھ مقصود نہیں ہوتا تھا کہ اپنی طلاق کی شدت اور غائت شدت اپنی مطلقہ پر ثابت کریں اور بس' ورنہ وہ تو طلاق بمعنی فسخ نکاح سمجھتے ہی تھے اب وہ شدت کے ساتھ فسخ ہو یا نرمی کے ساتھ نتیجہ ایک ہی ہے تاکید و توثیق و شدت کا اظہار محض بیکار ہوتا تھا یہ بھی ان کی ایک جاہلانہ حرکت ہوتی تھی۔

قرآن مجید نے بتا دیا کہ ایک بار طلاق دے کر اپنا ارادہ فسخ نکاح بیوی پر ظاہر کردو۔ اس کے بعد وہ پورا طہر گزرے گا پھر حیض آئے گا جو عدت طلاق کا پہلا حیض ہوگا۔ تقریباً ایک ماہ کی مدت میں عورت پر اس اعلان ارادہ فسخ نکاح کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہونا چاہئے وہ مصالحت کی کوشش ضرور کرے گی۔ اگر وہ اس مدت میں کوئی کوشش مصالحت نہ کرے اور بے پروائی برتے تو عدت طلاق کے پہلے حیض کے بعد پھر ایک طلاق دیدے۔ یعنی دوبارہ اپنے ارادہ فسخ نکاح سے اس کو مطلع

کردے۔ اس کے بعد دوسرے حیض اور تیسرے حیض تک تو وہ عورت نتیجہ علیحدگی پر غور کرے گی اپنی بے پروائی و سرکشی و نافرمانی پر نادم ہوگی۔ اگر نادم نہ ہو تو تیسرے حیض کے بعد اس کو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردے۔ یہ تسریح باحسان کی تعمیل ہوگی اور اگر شوہر خود عدت کے درمیان اپنے فیصلے کی غلطی محسوس کرلے تو وہ عدت کے آخری لمحے تک امساک کرلے سکتا ہے۔

۱۶ا و ۱۷ا قوله تعالی فامساک بمعروف او تسریح باحسان" "امساک" کے معنی ہیں روک لینا' روک رکھنا' جاتے ہوئے کو روک لینا' جانے والے کو روک رکھنا۔

شوہر بیوی کو طلاق دے کر اپنے ارادہ فسخ نکاح سے مطلع کر رہا ہے گویا اس کو کہہ رہا ہے کہ تم اب عدت گزار کر میرے گھر سے رخصت ہو جاؤ۔ تم عدت پوری کرلو تو میں تم کو اپنے سے علیحدہ کردوں گا اور اپنے نکاح کے قید و بند سے آزاد کرکے تمہیں تمہارے اولیاء کے پاس رخصت کردوں گا۔ مگر چونکہ عدت کو آخری لمحے تک زن و شو کے درمیان رشتہ نکاح باقی رہتا ہے اس لئے عدت کے آخری لمحے تک شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرلے اور بیوی کو اپنی زوجیت میں روک رکھے' اپنی زوجیت سے باہر نکلنے نہ دے اور اس کو رخصت نہ کرے۔

جس طرح طلاق دینے میں شوہر بیوی سے استمزاج کا پابند نہیں ہے کہ بیوی اگر طلاق پر راضی ہو جبھی طلاق دے' اسی طرح امساک میں بھی وہ بیوی کی رضامندی حاصل کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ عدت کے اندر تو نکاح باقی ہی ہے' امساک نام تجدید نکاح کا نہیں ہے کہ جب تک عورت و مرد دونوں راضی نہ ہوں نکاح نہیں ہوسکتا۔ پہلا نکاح تو عدت تک باقی ہی ہے۔ شوہر شوہر ہے اور بیوی بیوی۔ شوہر نے جس طرح اپنی مرضی سے فسخ نکاح کا ارادہ بیوی پر ظاہر کیا تھا اسی طرح وہ اپنی مرضی سے اپنا ارادہ بھی فسخ کردے سکتا ہے اس میں اس کو بیوی سے استمزاج کی کوئی ضرورت نہیں۔

شوہر کو حکم ہے کہ لا تخرجوھن من بیوتھن۔عدت کے اندر مطلقہ کو ان کے گھر سے نہ نکالو۔ یعنی ابھی شوہر کا گھر ان کا گھر باقی ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھا مطلقہ کو بھی حکم ہے ولا یخرجن وہ شوہر کے گھر سے نہ نکلیں ابھی اس گھر پر ان کا وہی حق باقی ہے جو طلاق سے پہلے تھا اور اسی لئے شوہر پر مطلقہ کا نان و نفقہ واجب الادا ہے۔کیونکہ رشتہ نکاح باقی ہے' تو جب رشتہ نکاح باقی ہے بیوی بھی اس کی زوجیت میں اسی طرح ہے جس طرح طلاق سے پہلے تھی تو اگر شوہر اپنے تعلقات قائم کرلے تو اس میں کیا دشواری ہے کسی نے اپنے مکان کو توڑ کر مسمار کر دینے کا ارادہ کرلیا تھا مگر بعد کو اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔ صرف ایک ارادہ ظاہر کرنا اور پھر اس ارادے کے فسخ کو ظاہر کردینا یہ کوئی ایسی بات نہیں جو لوگوں کو سمجھ میں نہ آئے۔ امساک میں تجدید نکاح کی شرط غایت عدم تدبر اور کمزوری فکر بلکہ لفظ امساک کے معنی کے نہ سمجھنے کی دلیل ہے اور قرآن فہمی کا منہ چڑانا ہے۔

او تسریح باحسان تسریح کے معنی اہل لغت طلاق لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ تسریح کے معنی طلاق کے سلسلے میں فسخ نکاح کے بعد عورت کو اپنے گھر سے رخصت کردینا ہیں۔ چاہے ایک ہی طلاق کے بعد عدت گزر جائے چاہے دو طلاق کے بعد۔ مگر تیسری طلاق پر ایمان رکھنے والوں کو جب پورے قرآن مجید میں کہیں تیسری طلاق کا حکم یا اس کی اجازت بھی نہ ملی تو انہوں نے تسریح ہی کو طلاق کے معنی میں لے کر تسریح کو تیسری طلاق قرار دیدی۔ اہل لغت نے فقہاء کے اس قول کو دیکھ کر تسریح کو طلاق کے معنی میں لکھ ڈالا۔ چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

**یہاں تک کہ** میرے ایک برادر عزیز جو علم و فضل میں بہت بلند پایہ رکھتے ہیں اور میں ان کا ذکر اکثر افتخاراً کرتا ہوں کہ میرے خاندان میں .بفضلہ تعالیٰ ایک ایسا فاضل اجل موجود ہے مگر افسوس کہ وہ تقلید میں بھی بہت سخت قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ مسئلہ طلاق پر میرے ان کے درمیان کچھ مراسلات رہے ہیں۔ میرے اس

سوال پر کہ اگر کوئی شخص ایک یا دو طلاق دے کر خموشی سے عدت گزر جانے دے اور عدت کے بعد بیوی کو اپنے گھر سے رخصت کر دے تو یہ تسریح ہوجائے گی مگر کیا آپ اس کو تیسری طلاق قرار دیں گے؟

انہوں نے تحریر فرمایا کہ یہ تسریح نہ ہوگی جب تک وہ تیسری بار طلاق نہ دے گا تسریح نہ ہوگی۔ یہ ایک ایسی صورت ہوگی کہ زن و شو میں تفریق ہوگئی۔ نکاح باقی نہ رہا عدت گزر جانے کے باعث شوہر کو امساک کا حق نہ رہا مگر اسی شوہر سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ قرآن مجید نے دوسری طلاق کے بعد شرطیہ متصلہ حقیقیہ یعنی مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو دونوں حیثیتوں کے ساتھ فرمادیا کہ فامساک بمعروف او تسریح باحسان دوسری طلاق کے بعد شوہر یا تو امساک بالمعروف کرے یا تسریح باحسان کرے ان دو صورتوں کے سوا کسی تیسرے طریق کار کی یہاں گنجائش ہی کہاں ہے۔ عدت گزار کر شوہر نے جو مطلقہ کو اپنے گھر سے رخصت کر دیا بغیر تیسری طلاق دیئے تو آپ اس کو امساک تو کہہ نہیں سکتے اور تسریح بھی نہیں کہتے تو پھر اس تیسری صورت کا قرآن مبین نے کیا نام بتایا ہے؟ اور وہ قرآن کا شرطیہ متصلہ حقیقیہ تو نعوذ باللہ غلط ٹھہرا کہ تیسری صورت کی بھی گنجائش باقی ہے اگر صرف مانعۃ الجمع مانتے ہیں تو تیسری صورت کا قرآنی نام کیا ہے؟ بتایئے۔ آپ بھی اپنے ذرا طرز سخن کو دیکھیں میں جو کچھ عرض کروں گا تو شکایت ہوگی۔

برادر عزیز سے اس کا کوئی جواب تو نہ ہوسکا مگر وہ تقلید کی رسی کو چھوڑ نہیں سکتے اس لئے اپنی بات پر ابھی تک قائم ہیں جس کا مجھ کو سخت افسوس ہے۔ غیر ممسوسہ کے لئے اسی لئے اذا طلقتم کہنے کے بعد فمتعوھن و سرحوھن سرحا" جمیلا فرمایا گیا کہ غیر ممسوسہ کے ساتھ جب ارادہ فسخ نکاح کا اظہار کرو تو صرف ارادے کا اظہار ہی کرکے نہ رہ جاؤ بلکہ ان کو کچھ دے کر اپنے گھر سے رخصت کردو اس لئے کہ ان کا نکاح باقی نہ رہا اور نہ وہ تمہارے لئے عدت کریں گی کہ تم ان کو اپنے گھر میں رکھ کر ان سے عدت پوری کراؤ۔

**سورہ احزاب** میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا تھا کہ اپنی بیویوں سے کہدو فان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا ○ تم لوگ اگر دنیاوی ہی زندگی اور اسی کی زیبائش کی خواہش مند ہو تو آؤ ہم تمہیں سازو سامان دے کر حسن و خوبی کے ساتھ رخصت کردیں۔ اس آیت میں طلاق کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ صرف تسریح کا ذکر ہے اس سے یہ سمجھنا کہ یہاں تسریح طلاق کے معنی میں ہے صحیح نہیں۔ اس لئے کہ طلاق کے بعد مطلقہ پر عدت واجب ہے اور شوہر کو حکم ہے کہ عدت تک ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں اور نہ وہ خود نکلیں۔ اگر تسریح سے طلاق مراد ہوتی تو سراحا جمیلا نہ فرمایا جاتا' اور پھر امتعکن بھی نہ فرمایا جاتا۔ سازو سامان دے کر رخصت کرنے کا وقت تو عدت کے بعد ہوتا ہے۔ یہاں تعالین کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ مراد ہے تعالین واستطلقن آؤ اور مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرو۔ یعنی باصطلاح محدثین و فقہاء خلع کی درخواست کرو' تاکہ میں تم کو طلاق دے کر اسی وقت سازوسامان کے ساتھ رخصت کردوں۔ اس لئے کہ مستطلقات یعنی خلع چاہنے والیوں پر طلاق پانے کے بعد عدت نہیں ہے اور ان کی فوری تسریح ہوجاتی ہے۔ تعالین کے بعد جس طرح واستطلقن کا مفہوم خود فحوائے کلام سے پیدا ہو رہا ہے' اسی طرح اسرحکن سے پہلے اطلقکن کا مفہوم خود نمایاں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ تسریح طلاق کے بغیر نہیں ہوتی۔ پہلے طلاق شوہر دے گا اس کے بعد تسریح کرے گا۔ اقیم الصلوۃ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بے وضو نماز پڑھ لو۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ توضؤا فاقیموا الصلوۃ طلاق شوہر کی عزیمت کے ساتھ ایک قول پر یعنی اس کے فعل پر موقوف ہے اور تسریح شوہر کے فعل پر موقوف نہیں غیر ممسوسہ کو شوہر نے ایک طلاق دے دی اور وہ مسرحہ ہوگئی یعنی اس کی زوجیت کی قید سے آزاد ہوگئی۔ ممسوسہ کو شوہر نے اپنی مرضی سے طلاق دی تو عدت گزرنے سے پہلے تک وہ صرف مطلقہ ہے مسرحہ نہیں۔ عدت گزر گئی اور وہ مسرحہ ہوگئی۔ شوہر کی

زوجیت سے باہر نکل گئی۔ عورت کی یہ تسریح بمعنی مصدر مجہول ہوئی۔ مگر شوہر پر غیر ممسوسہ کی فی الفور تسریح اور ممسوسہ کی عدت کے بعد تسریح فرض ہے بمعنی مصدر معروف۔ شوہر پر تسریح باحسان فرض ہے۔ عدت کے بعد مطلقہ خود شوہر کے گھر سے اپنے میکے چلی جائے تو وہ گنہگار نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قانون شرعی کی رو سے وہ مسترحہ ہوچکی' یا غیر ممسوسہ طلاق پاتے ہی شوہر کے گھر سے خود رخصت ہوجائے تو جائز ہے مگر شوہر نے اگر بے اعتنائی برتی ہے اور شوہر کی بے پروائی دیکھ کر مجبوراً وہ خود وہاں سے اٹھ کر چلی آئی ہے تو شوہر گنہگار ہوگا کہ اس نے اپنے فعل و عمل سے تسریح باحسان کا حکم انجام نہ دیا۔ غرض سورہ احزاب کی مذکورہ آیت اسرحکن سراحا جمیلاً میں تسریح طلاق کے معنی میں نہیں ہے۔ اگر طلاق کے معنی میں ہوتی تو یہاں اسر حکن سے پہلے امتعکن اور اس کے بعد سرا ا جمیلا نہ فرمایا جاتا۔ طلاقاً جمیلا پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ طلاق ابغض المباحات ہے طلاق جمیل نہیں ہوسکتی۔ تسریح مطلقہ کو گھر سے رخصت البتہ اچھی طرح بھی ممکن ہے اور بری طرح بھی۔ اسی لئے حکم ہے تسریح باحسان اور سرحوھن سراحا جمیلا کا مگر چونکہ تسریح مطلقہ ہی کی ہوتی ہے اس لئے تسریح کے قبل وقوع طلاق ضروری ہے چاہے شوہر خود طلاق دے چاہے عورت کے مطالبہ و استطلاق کے بعد طلاق دے جس کو فقہا خلعی طلاق کہتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تسریح طلاق سے الگ ایک مفہوم رکھتی ہے مگر طلاق کے بعد ہی واقع ہوتی ہے۔ بغیر طلاق کے تسریح نہیں ہوسکتی اور طلاق کے لئے تسریح ضروری نہیں۔ عدت پوری ہونے سے پہلے ایک یا دو طلاق جو واقع ہو تو اس کو تسریح نہیں کہہ سکتے۔ شوہر کے امساک کے بعد اس عورت کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ مطلقہ ہوگئی تھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسرحہ ہوچکی تھی۔ غرض طلاق و تسریح کو ایک سمجھنا فاحش غلطی ہے۔

۱۸ا۔ و ۱۹ا۔ قوله تعالى ولا يحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شيئا يہ

عطف تفسیری ہے تسریح باحسان پر یعنی اپنی مطلقہ کو عدت کے ختم ہو جانے کے بعد اپنے گھر سے رخصت کرو تو احسان یعنی حسن سلوک کے ساتھ اور سب سے بڑا حسن سلوک اور سب سے ضروری اور اہم حسن سلوک یہ ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ تم اس کو دے چکے ہو' اس میں سے کچھ بھی اس سے واپس نہ لو۔

یہ حکم سورہ نساء میں بھی آیا ہے آیت نمبر ۱۹ میں ارشاد ہے ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن تم ان کو مقید نہ رکھنا کہ جو کچھ ان کو تم دے چکے ہو وہ ان سے پھر سے لے کے رہو اور اسی کے بعد آیت میں ہے واتیتم احدھن قنطارا فلا تاخذو منه شیئا اگر تم ان کو سونے چاندی کے ڈھیر بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ یہاں بھی شیئا کا لفظ آیا ہے یعنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی واپس لینا اپنی مطلقہ سے جائز نہیں۔ غرض بطور خود اس خیال سے کہ اب تو یہ میری بیوی رہی نہیں پھر اس کے پاس میری دی ہوئی چیزیں کیوں رہیں اس سے شوہر کوئی چیز بھی نہیں لے سکتا۔

مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ شوہر نے اپنا پورا مکان' اپنی پوری جائیداد' اپنا کھیت اپنا باغ یا اپنا پورا کارخانہ بیوی کے نام سے میل محبت کے زمانے میں لکھدیا ہو۔ اب چند برسوں کے بعد رفتہ رفتہ شوہر کو اس بیوی کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث اس سے بیزاری سی پیدا ہو گئی وہ طلاق دینا چاہتا ہے مگر اپنی جائیداد سے اپنے کھیت اپنے باغ اور اپنے کارخانے کے باعث طلاق نہیں دے سکتا اور دلی بیزاری کے باعث باہمی حسن معاشرت کے حقوق و فرائض جو حدود اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ادا بھی نہیں کر سکتا اور حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایسی کشمکش میں بعض شوہر مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح بعض عورتوں کو شوہر سے غایت درجہ بیزاری ہو سکتی ہے۔ باوجود اس کے کہ شوہر نے اس کا مہر بھی ادا کر دیا ہے بہت سے زیورات اور قیمتی ملبوسات بھی لا لا کر دیئے ہیں اس شوہر سے اس کی بیزاری نہیں مٹتی یہ شوہر سے طلاق مانگتی ہے شوہر طلاق نہیں دیتا اور احسان جتاتا ہے کہ ہم نے مہر بھی ادا کر دیا

اتنے روپے اس قدر زیورات اور ایسے ایسے قیمتی کپڑے لا لا کر دیے پھر بھی ہم طلاق دے دیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مگر عورت اپنی غایت بیزاری کی وجہ سے اس شوہر کے ساتھ حسن معاشرت کے جو فرائض ہیں نہ انجام دے سکتی اور نہ اس کے حقوق خوشدلی سے ادا کر سکتی' یعنی کسی طرح بھی حدود اللہ کو اس کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتی۔

نکاح ہوتا ہے زن و مرد دونوں کی رضامندی سے اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے راضی رہنا چاہئے۔ شوہر کو جس طرح طلاق دینے کا اختیار ہے عورت کو بھی اسی طرح شوہر سے طلاق لینے کا اختیار ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف مگر دونوں صورتوں میں یعنی شوہر بیزار ہوکر طلاق دینا چاہتا ہو یا عورت بیزاری کے باعث طلاق کی طالب ہو۔ اگر شوہر کے مطالبہ مال کا سوال سامنے آگیا ہو تو ایسی صورت کے متعلق بھی ضرور اس عام ممانعت اخذ مال سے استثناء کی صورت بھی بیان فرما دینی ضروری تھی۔ اس لئے اس کے بعد ارشاد ہوا:

۲۰۔۲۱ و ۲۲۔ الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ ط یہ استثناء ہے لا یحل لکم ان تاخذ مما اتیتموھن شیئا سے۔

یہاں مخاطب نہیں ہے اور نہ صیغہ جمع کے ساتھ عام طور سے طلاق دینے والوں کی جماعت اور طلاق پانے والیوں کی جماعت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس طرح ہر جگہ احکام طلاق میں شوہروں کو بصیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب کیا گیا ہے اور عورتوں کو بصیغہ جمع مونث غائب۔ وہ سلسلہ عام مخاطب کا مستثنیٰ منہ یعنی لا یحل لکم سے شیئا تک ختم ہوگیا۔ اب اس استثنائی جملے سے شوہروں کی جماعت میں صرف ایک شوہر اور اس کی صرف ایک بیوی کا بصیغہ تثنیہ دونوں کا یکجائی ذکر شروع ہو رہا ہے۔ (اتنا اس لئے لکھ دیا کہ سابق انداز بیان اور اس نئے طرز بیان کو اہل نظر ملحوظ رکھیں اور دونوں کو خلط ملط کر کے یہاں کا ٹکڑا وہاں جوڑ کر اور وہاں کا پیوند یہاں لگا کر خلط مبحث نہ کریں۔)

فرمایا جاتا ہے "مگر وہ دونوں زن و شو جو اس بات سے ڈرتے ہوں کہ

(بغیر کچھ لئے دئے) وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ (تو ان کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے)۔

مگر ظاہر ہے کہ طلاق کا معاملہ چاہے شوہر خود دے رہا ہو' چاہے عورت طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو دونوں صورتیں باہمی رنجش و بیزاری ہی کے باعث پیش آیا کرتی ہیں اور زن و شو کے درمیان باہمی رنجش و بیزاری ہو تو حکم ہے فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها کا یعنی ایک حکم شوہر کے لوگوں میں سے اور ایک حکم اس کی بیوی کے لوگوں میں سے کھڑے کیئے جائیں کہ وہ اول تو مصالحت کی کوشش کریں۔ مصالحت نہ ہو سکے تو مناسب طریقے سے تفریق کی صورت پیدا کر دیں اور جب یہاں مطالبہ مال کا قصہ چھڑا ہوا ہے تو یقیناً شوہر چاہے گا کہ وہ سب ورنہ زیادہ سے زیادہ مال واپس لے لے' اور عورت چاہے گی کہ کچھ بھی واپس نہ دے یا کم سے کم دے۔ یہ موقع یقیناً جانبین کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر کرنے کا ہے اگر حکموں سے بھی کام نہ نکلے تو حکام وقت سے رجوع کرنا ضروری ہو گا۔ اس لئے ان حکموں یا حکام کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے۔

۲۳۔ و ۲۴۔ فان خفتم الا یقما حدود الله فلا جناح علیها فیما افتدت به۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عورتیں ظالم شوہروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان سے طلاق کا مطالبہ کرتی تھیں مگر شوہر طلاق نہیں دیتا تھا تو بیچاری مجبور ہو کر کچھ مال شوہر کو دے کر اس سے طلاق حاصل کرتی تھیں۔ مگر زمانہ جاہلیت میں ایسی عورت کو بھی گنہگار ہی لوگ سمجھتے تھے جو مال دے کر طلاق خریدے اور اس کے اس شوہر کو بھی گنہگار سمجھتے تھے جو بیوی سے مال لے کر اس کو طلاق دے۔

پہلے تو فان خفتم کہکر جانبین کے حکموں اور حکام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حکمو یا اے حاکمو! اگر تم لوگ بھی ان دونوں زن و شو کے حالات سے مطلع ہونے کے بعد اس کا خطرہ محسوس کرو کہ واقعی اگر شوہر اپنے دیئے ہوئے اموال میں سے کچھ واپس نہ لے گا تو (چاہے شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے رہا ہو

چاہے بیوی کے مطالبے پر) یہ دونوں حدود اللہ کو کبھی قائم نہ رکھ سکیں گے تو (اگر شوہر بطور خود طلاق دے رہا ہے تو دونوں حکم یا حکام جس قدر اس کو بیوی سے دلوادیں اسی قدر وہ لے اور بیوی اتنا دینے میں عذر نہ کرے۔ شوہر اس سے زیادہ نہ لے اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی بات واضح تھی' مگر عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہو اور وہ شوہر کا دیا ہوا مال واپس دے کر اپنی جان کا فدیہ دے کر اس شوہر سے اپنی گلو خلاصی چاہے اور شوہر وہ مال قبول کرلے تو چونکہ زمانہ جاہلیت میں دونوں کو گنہگار سمجھتے تھے اس لئے اس غلط خیال کی تصحیح فرمادی کہ اگر وہ عورت کچھ فدیہ (اپنی گلو خلاصی کے لئے) شوہر کے سامنے پیش کردے اور شوہر اس کو قبول کرے تو اس سے ان دونوں میں سے کسی پر بھی مطلق گناہ نہیں ہے' کوئی گنہگار نہ ہوگا۔

۲۵۔ و ۲۶○ فلا جناح علیھما میں ضمیر تثنیہ انہیں دونوں زن و شو کی طرف پھر رہی ہے جن دونوں کی طرف یخافا اور یقیما کی تثنیہ والی ضمیریں اوپر دونوں جگہ پھر رہی تھیں یعنی الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ میں بھی اور وان خفتم الا یقیما حدود اللہ میں بھی اور افتدت کی ضمیر مونث واحد انہیں دونوں زن و شو میں "زن" کی طرف راجع ہے۔ قرآن مجید کے عنوان بیان میں جو معجزانہ ے۔ ایجاز ہوتا ہے تدبر فی القرآن کرنے والے اہل علم و اہل ادب سے پوشیدہ نہیں' اسی اصول ایجاز کے مطابق صرف افتدت بہ فرما کر چھوڑ دیا گیا۔ یعنی صرف فدیہ پیش کرنے والی کے فدیہ پیش کرنے کا ذکر فرمایا گیا اور فدیہ قبول کرنے والے اس کے شوہر کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ اس لئے کہ علیھما میں دونوں کا ذکر ہوچکا ہے عورت نے فدیہ پیش کیا ہوگا یا پیش کرے گی تو شوہر ہی کے سامنے اور فدیہ جب وہ قبول کر لے گا اور لے لے گا جبھی اوہام جاہلیت کے ماتحت ان دونوں زن و شو کے گنہگار ہونے کا خیال پیدا ہوسکتا تھا جس خیال کے غلط ہونے کا اعلان فلا جناح علیھما فرما کر دیا گیا۔ اس لئے فیما افتدت بہ کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی وفیما واخذ تلک الفدیہ منھا یہاں تک فرمانے کے بعد ایک نہایت لطیف نکتہ محض

فحوائے کلام سے پیدا کر دینے کے لئے بات کو ناتمام چھوڑ کر ایک جملہ معترضہ ارشاد فرمایا گیا کیوں؟ اور وہ کون سا نکتہ ہے اس کو میں آگے بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۷۔ قولہ تعالٰی تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا' ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولئک ھم الظلمون ط آیت ۲۲۹

فرمایا جاتا ہے کہ اوپر جتنے احکام بیان ہوئے وہ سب اللہ تعالٰی کی قائم کردہ حد بندیاں ہیں اور جو لوگ اللہ تعالٰی کی حد بندیوں سے باہر نکل جائیں وہی لوگ (اپنی جانوں پر آپ) ظلم کرنے والے ہیں۔

یعنی جتنا بھی اوپر بیان فرمایا گیا اصل حدود اللہ وہی ہیں۔ طلاق کے سلسلے میں دس باتیں اوپر بیان فرمائی گئیں۔

نمبر ۱ ان عزمو الطلاق سے یہ بتا دیا گیا کہ طلاق کے لئے عزیمت شرط ہے جب تک طلاق دینے والا پورے عزم راسخ کے ساتھ طلاق نہ دے صرف طلاق کا لفظ ایک بار یا پچاس بار بھی منہ سے غصے میں اگر شوہر کہہ گیا ہے اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے غصے میں کہدیا تھا مگر طلاق دینا میں نہیں چاہتا' تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس لئے تو حکم ہے طلاق دو تو پہلے پورا ایک طہر جماع سے خالی رکھ کر اس کے بعد جو حیض آئے' اسی کے بعد طلاق دو۔ تاکہ طلاق دو تو پوری طرح سوچ سمجھ کر طلاق دو تاکہ شوہر کی عزیمت سے طلاق واقع ہو۔

نمبر ۲ (غیر ممسوسہ و مختلعہ کے سوا) ہر مطلقہ کو تین حیضوں تک منتظر رہنے کا حکم ہوا۔

نمبر ۳ مطلقہ کو جب اپنے حمل کا علم ہوجائے تو شوہر سے اس کا اپنا حمل پوشیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

نمبر ۴ عدت گزر جانے کے بعد بھی اس مطلقہ کی واپسی کا دوسروں سے زیادہ مستحق وہی طلاق دینے والا شوہر ہے۔ بشرطیکہ اسی واپسی میں دونوں زن و شو کی اصلاح حال کی توقع ہو۔

نمبر ۵ زن و مرد دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر ذمہ داری میں ملتے جلتے

ہیں۔

نمبر۶ طلاق دو مرتبے سے زیادہ مرتبے نہیں دی جاسکتی

نمبر۷ ہر وہ طلاق جس کے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہے' اس طلاق کی عدت کے آخری لمحے تک شوہر کو سابق نکاح پر بغیر تجدید نکاح کئے اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کر لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اگر وہ رجوع نہ کرے اور عدت گزر جائے تو شوہر پر فرض ہے کہ حسن سلوک کے ساتھ اس مطلقہ کو اپنے گھر سے اس کے اولیاء کے گھر رخصت کر دے۔

نمبر۸ طلاق کے ارادے سے پہلے جو کچھ شوہر اس مطلقہ کو دے چکا ہے' مہر کی رقم ہو یا زیورات و ملبوسات وغیرہ ہوں ان میں سے کسی چیز کو بھی اس مطلقہ سے واپس لے لینا شوہر کے لئے جائز نہیں۔

نمبر۹ اگر ایسی صورت پیش آگئی ہو کہ بغیر اس میں سے کچھ واپسی کے دو زن و شو باہمی حقوق و فرائض کے حدوداللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک بھی' اور جانبین کے حکم یا حکام بھی اس کی تصدیق کریں کہ واقعی صورت حال ایسی ہی ہے کہ شوہر یا عورت یا دونوں باہم مل کر حسن معاشرت کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور جب تک شوہر کو اس کی دی ہوئی کچھ چیزیں یا سب واپس نہ دلوادی جائیں گی شوہر تفریق پر بھی راضی نہیں ہو سکتا تو ایسی حالت میں وہ کچھ مال واپس لینے کی ممانعت باقی نہ رہے گی۔

نمبر۱۰ اگر عورت ہی طلاق کی طالب ہو اور شوہر طلاق نہ دیتا ہو تو اگر عورت بطور فدیہ کے اس شوہر سے اپنی گلو خلاصی کے لئے کچھ مال شوہر کے سامنے پیش کردے کہ وہ اتنا مال لے کر اس کو طلاق دے دے تو اس کا مال بطور فدیہ پیش کرنا اور شوہر کا اس کو قبول کر لینا اور لے لینا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق وہ دونوں اس مال فدیہ کے لین دین کے سبب سے گنہگار سمجھے جاتے تھے یہ غلط ہے۔ اگر

ایلاء کے مسئلے کو بھی اس میں شمار کر لیجئے اور پہلا نمبر اسی کو قرار دیجئے اس لئے کہ زن و شو کے معاملات کے سلسلے کو ایلاء ہی کے بیان سے شروع کیا گیا ہے اور ایلاء کو زمانہ جاہلیت میں لوگ سخت ترین طلاق سمجھتے تھے' اس خیال کی تصحیح یا تنسیخ فرما کر اس کا کفارہ بتایا گیا ہے اور اسی سلسلے میں فرمایا ہے کہ کفارے میں چار ماہ کا تربص جو بتایا گیا ہے اگر شوہر چار ماہ کے بعد اس عورت سے نہ ملے طلاق ہی کا عزم ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے یعنی ایسی صورت میں طلاق ہی کا حکم نافذ ہوگا۔ مگر چونکہ اپنی مدخولہ بیوی کو شوہر خود اپنی عزیمت سے جب بھی طلاق دے گا تو وہ امساکی یعنی رجعی ہی طلاق ہوتی ہے اور ہر رجعی طلاق کے بعد مطلقہ پر عدت فرض ہے اور ہر عدت والی طلاق کے آخری لمحے تک شوہر کو امساک یعنی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ اس لئے جب شوہر نے طلاق کا عزم ظاہر کر دیا تو طلاق کے یہ سارے احکام سامنے آجائیں گے۔ مگر اب اگر وہ شوہر عدت کے اندر امساک کرلے گا یا عدت کے بعد اس سے دوبارہ نکاح کر لے گا تو چونکہ ایلاء کے کفارے سے اس نے فائدہ نہیں اٹھایا تو قسم کا کفارہ اس پر عائد ہو جائے گا امساک کے بعد یا دوبارہ نکاح کے بعد قربت کر لے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔

غرض ایلاء سے چونکہ سلسلہ کلام شروع ہوا ہے اس لئے ایلاء کو بھی شمار کر لیجئے تو گیارہ باتیں ہوئی جن کو حدود اللہ کہکر بتایا کہ ان حدود سے جو بھی باہر نکلے گا وہ ظالم ہوگا۔ اے مسلمانو! ان حدود کو قائم رکھو۔

لیکن مفتدیہ اور مستفدی یعنی فدیہ دینے والی اور فدیہ لینے والے کے متعلق صرف اس قدر فرمایا گیا کہ اس مال فدیہ کے لین دن کی وجہ سے دینے والی اور لینے والا کوئی بھی گنہگار نہ ہوگا۔ اس سے زیادہ یہاں پر کچھ نہ بتایا' آخر کیوں؟ یہ کہنا کہ اس سے زیادہ ان دونوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ عورت نے مال فدیہ پیش کیا

ہے طلاق لینے کے لئے اور شوہر نے وہ مال فدیہ اسی لئے لیا ہے کہ وہ اس عورت کے مطالبے کے مطابق اس کو طلاق دیدے۔ تو اگر شوہر نے مال فدیہ لے کر اس فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دیدی تو یہ طلاق کیسی ہوگی؟ کیونکہ یہ ایک بالکل نئی قسم کی طلاق ہے۔ یہ عورت غیر ممسوسہ ہے نہیں مختلعہ ہے اور چونکہ مختلعہ تسریح ہی کی طالب ہوتی ہے اس لئے اتنا تو سمجھا جائے گا کہ یہ طلاق تسریحی ہوگی یعنی فوراً نکاح ایک ہی طلاق سے ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ مختلعہ بالمال ہے اس نے شوہر کو مال فدیہ دے کر اس سے طلاق خریدی ہے اور شوہر نے مال فدیہ لے کر اپنے حقوق زوجیت سے طلاق دے کر دست بردار ہوا ہے۔ اس لئے ایسی طلاق جس کو زمانہ جاہلیت میں زن و شو دونوں کے لئے باعث گناہ لوگ سمجھتے تھے اس کے متعلق صرف اتنا معلوم کرکے کہ وہ گناہ نہیں ہے ایسی صورت میں زن و شو میں سے کوئی بھی گنہگار نہ ہوگا تو پوری تشفی نہیں ہوتی جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ طلاق کیسی ہوگی مختلعہ بغیر الافتداء اور مختلعہ بالافتداء دونوں کا حکم ایک ہے یا دونوں میں کچھ فرق ہے۔ اس کو معلوم کرنے کی خلش یقیناً ہر ایک دل میں پیدا ہوگی مگر اللہ تعالٰی سے بڑھ کر دلوں کے خطرات و وساوس کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ بالقصد یہ جانتے ہوئے کہ یہ سوال دلوں میں پیدا ہوگا پھر بھی بات کو نا تمام چھوڑ کر جملہ معترضہ کے طور سے یہ فرمایا کہ اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حدود اللہ ہیں' حدود اللہ سے باہر نہ نکلو' حدود اللہ ہی سے باہر نکلنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نا تمام بات چھوڑ دی تھی اس کو پورا کیا جاتا ہے اور جو سوال وہاں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا اس سوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ:

۲۷۔ ۲۸۔ قولہ تعالٰی فان طلقھا تو اگر اس فدیہ قبول کرنے والے شوہر نے اپنی اس فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دے دی واحد مذکر غائب کی ضمیر فاعلی جو طلق میں ہے اور اس کے ساتھ جو واحد مونث غائب کی ضمیر مفعولی ھا ہے کیا اسی مفتدیہ فدیہ دینے والی اور مستفدی یعنی فدیہ لینے والے اس کے شوہر کے سوا کسی اور کی طرف پھر سکتی ہے؟ کوئی صاحب عقل سلیم اس کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ اس فان

طلقھا کا تعلق اس مفتدیہ اور مستفدی زن و شو سے نہیں ہے جن دونوں کا ذکر جملہ معترضہ سے پہلے ولا جناح علیھما فیما افتدت بہ میں ہے؟ کون شخص نہیں جانتا کہ جملہ معترضہ کا مابعد ہمیشہ جملہ معترضہ کے ماقبل متصل ہی کے ساتھ جوڑا جائے گا۔ اس حیثیت سے بھی اس فان طلقھا کا عطف تحقیقی فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ ہی پر ہے کہ جملہ معترضہ کا مابعد اس کے ماقبل متصل ہی سے دنیا کی ہر زبان میں ملحق ہوتا ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ ضمائر کے مراجع کو پہلے قریب ہی میں ڈھونڈنا چاہئے قریب میں نہ ملے تو بعید پھر ابعد میں ڈھونڈنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ یہاں ھا ضمیر مفعولی کا مرجع جملہ معترضہ کے قبل متصل افتدت کی فاعل مفتدیہ موجود ہے کوئی ادبی و دینی وجہ ایسی نہیں بتائی جا سکتی ہے کہ اس ھا کی ضمیر واحد مونث غائب اس مفتدیہ کی طرف اور طلق کی ضمیر واحد مذکر غائب اس مفتدیہ کے مستفدی شوہر کی طرف نہ پھیری جائے جن دونوں کا اجمالی ذکر فلا جناح علیھما کی ضمیر شیہ غائب میں اسی جملے میں موجود ہے جو جملہ معترضہ کے ماقبل متصل واقع ہے جس پر اس فان طلقھا کا عطف تحقیقی ہے اور جب فان طلقھا کا عطف فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ پر ہے' تو یہ ضمیریں یقیناً مستفدی اور مفتدیہ ہی کی طرف پھریں گی۔ کسی اور طرف ان میں سے کوئی ضمیر پھر ہی نہیں سکتی۔

پھر بات ناتمام بھی فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ کے جملے کی رہ گئی تھی' تمہ و تکملہ کا محتاج بھی یہی جملہ ہے' یعنی فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ میں جو بات کہنا باقی رہ گئی ہے وہ اسی فان طلقھا ہی والے پورے جملہ شرطیہ سے پوری ہوجاتی ہے۔

مفسرین جو اس فان طلقھا کا عطف الطلاق مرتن پر کرتے ہیں کس قاعدے سے کرتے ہیں؟ کیا وہ درمیان کے سب جملوں کو جملہ ہائے معترضہ قرار دیں گے؟ یا دے سکتے ہیں؟ اسی الطلاق مرتن والے جملے پر عطف اس کے بعد والے جملے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کا ہے جہاں

مخاطب سارے طلاق دینے والے شوہروں کی طرف بصیغہ جمع مذکر حاضر اور مطلقات کے لئے جمع مونث غائب کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ فان طلقہا کا عطف اگر الطلاق مرتن پر ہوتا تو واحد غائب کی دونوں مذکر و مونث ضمیریں نہ لائی جاتیں جمع مذکر حاضر کی ضمیر شوہروں کے لئے اور جمع مونث غائب کی ضمیر مطلقات کے لئے فلا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کے مطابق لائی جاتی اور فرمایا جاتا فان طلقتموھن فلا جناح علیکم ان تتراجعوا ان ظننتم ان تقیموا حدود اللہ اس طرح آیت نمبر ۲۳۰ ہوتی۔ ۸۔ مگر جب اس طرح نہیں فرمایا گیا تو اس طرح کی عبارت کا مفہوم کیوں نکالا جا رہا ہے۔

۲۹۔ و ۳۰۔ قولہ تعالٰی فلا تحل لہ من بعد اگر فدیہ لینے والے شوہر نے اپنی فدیہ دینے والی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ فدیہ دینے والی بیوی اپنے اس فدیہ لے کر طلاق دینے والے شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کے بعد بلکہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ "من بعد" کس فعل سے تعلق رکھتا ہے؟ فان طلقھا سے یا فلا تحل لہ سے؟ دوسرا سوال یہ کہ اس بعد کا مضاف الیہ کون ہو؟ مفسرین فان طلقہا کا عطف الطلاق مرتن پر کرتے ہیں اور فان طلقھا کے بعد اپنی طرف سے طلقتہ ثالثہ تفسیر میں بڑھاتے ہیں۔ اس اضافے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے کیونکہ محذوف تو اس کو کہتے ہیں جو لفظ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے کسی غالب قرینے سے گویا مذکور اور عبارت میں موجود ہو مگر لفظاً مذکور نہ ہو۔ جیسے ان کنت تقیا "۔ یعنی ان کنت تقیا فاتق اللہ مگر جہاں کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کسی لفظ کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے والا نہ ہو وہاں بغیر کسی قرینے کے کوئی لفظ کسی آیت میں محذوف ماننا کھلی ہوئی تحریف لفظی و تحریف معنوی دونوں ہے۔ جیسے سورہ نساء کی آیت ۱۲ میں ان کان رجل یورث کللتہ اوامراۃ ولہ اخ او اخت کے بعد مفسرین لکھ دیتے ہیں کہ ای من ام مگر وہ سمجھتے تھے کہ بغیر سند کے یہ تفسیر، تفسیر نہیں اضافہ و تحریف ہوگی اس لئے سب سے پہلے ابن جریر طبری نے

اپنی تفسیر میں ایک روایت ابی بن کعب کی قرات کی اسناد جوڑ کر لکھ دی بعد والے مفسرین کے لئے یہ سند کافی ہوگئی۔ مگر کسی نے یہ نہ سوچا کہ خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مصاحف کے مطابق فتویٰ دیتے تھے یا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق؟ اور دوسرے تمام اکابر صحابہ حضرت ابی بن کعب ہی کے مصحف کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے تو اپنے مصاحف کو بھی ان لوگوں نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کے مطابق کیوں نہ بنالیا؟

اور اگر حضرات خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم خود اپنے ہی مصاحف کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت ابی بن کعب کی قراءت کو نہیں تسلیم کرتے تھے تو ہم کیوں ایک آحاد قراءت پر عمل کریں اور خلفائے راشدین اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ کا اتباع امور بہ کیوں نہ کریں؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر یہ بہتان ہے۔ و کفی باللہ شہیدا۔

یہاں کسی دوسری قراءت کی ابن جریر کو نہ سوجھی' صرف من بعد ای من بعدالمرتین مفسرین نے لکھ دیا اور اس کو متعلق کر دیا فان طلقھا کے ساتھ عبارت یوں قرار دی فان طلقھا من بعدالمرتین تو اب ای طلقتہ ثالثہ لکھنے کی گنجائش نکل آئی۔ دو مرتبے کے بعد جب پھر طلاق دی جائے گی تو تیسری طلاق ضرور ہوجائے گی۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں ای فان طلقھا مرۃ ثالثتہ بعدالمرتین۔

ہمارے مفسرین رحمہم اللہ ادب عربی کے امام تھے مگر کیا یہ لوگ اتنا نہیں جانتے تھے کہ من بعد جب آئے گا تو اپنے فعل مظروف کے بعد ہی آئے گا۔ کسی دوسرے فعل کے بعد نہیں آتا۔ اگر طلقھا بعدالمرتین تفسیر صحیح ہوتی تو من بعد فلا یحل کے بعد نہ آتا۔ فان طلقھا کے بعد آتا اور عبارت یوں ہوتی فان طلقھا من بعد فلا تحل لہ حتی تنکح مگر قرآن مجید میں من بعد فلا

تحل کے بعد آیا ہے۔ اس لئے من بعد کا تعلق فان طلقھا سے ہرگز نہیں ہو سکتا اس کی ایک مثال نہیں دکھائی جاسکتی کہ من بعد یا بعد کبھی اپنے فعل مظروف کو چھوڑ کر کسی دوسرے فعل کے بعد آیا ہو۔ اس لئے ان کی تفسیر کی جڑ ہی کٹی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اگر ان من بعد کا مضاف الیہ یہاں المرتین ہوتا تو کبھی محذوف نہ ہوتا اس لئے کہ مرتان کا لفظ آیت نمبر ۲۳۰ کے شروع نہیں تو تقریباً شروع میں ہے دونوں کے درمیان بون بعید و فاصلہ مدید ہے اور اس من بعد کے دوسرے مضاف الیہ قریب میں مل رہے ہیں۔ جو مفہوم کے اعتبار سے بھی قریب تر ہیں اس کے قریب کے مضاف الیہ کو چھوڑ کر اتنی دور کسی کا ذہن نہیں جا سکتا۔ اگر مفسرین تیسری طلاق قرآن مجید سے کسی طرح ثابت کرنے کی دھن میں نہ ہوتے تو کبھی وہ من بعد کو جو لا تحل لہ کے بعد آیا ہے خلاف ادب عربی فان طلقھا کے متعلق نہ بتاتے اور من بعد کا مضاف الیہ قریب موجود ہوتے اس کو چھوڑ کر دو آیت اوپر زبردستی تلاش کرنے نہ جاتے بلکہ ان کا ذہن بھی اس طرف نہ جاتا۔ یہ جوئے شیر تو تیسری طلاق کے عشق میں لائی گئی ہے۔

من بعد کا مضاف الیہ ایک تو بہت قریب نظر آرہا ہے اور وہ "طلاق" کا لفظ ہے یعنی عبارت یوں ہو فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد ھذا الطلاق مگر اس تفسیر میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس صورت من بعد کا لفظ بیکار سا رہتا ہے۔ بغیر من بعد کے بھی فلا تحل لہ کی فائے تعقیب سے وہی مفہوم نکل رہا ہے اور اس کو بے ضرورت مؤکد کرنا من بعد لاکر فضول ہے قرآن مجید میں کوئی لفظ فاضل بے سود نہیں آیا ہے یہاں تو سیاق و سباق عبارت چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ فان طلقھا کے معنی یہ ہیں کہ "تو اگر اس فدیہ لینے والے نے اس فدیہ دینے والی کو طلاق دے دی فلا تحل لہ من بعد اخذ ما افتدت بہ حتی تنکح زوجا غیرہ تو وہ فدیہ دینے والی اس شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی۔ اس کے فدیہ لے لینے کے بعد جب تک وہ اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ یہ شرط فدیہ

لے لینے کے بعد کی اس لئے لگادی کہ شوہر باوجود عورت کے فدیہ پیش کرنے کے فدیہ قبول نہ کرے اور نہ لے یا فدیہ کا سوال ہی سامنے نہ آئے عورت کا مطالبہ طلاق ہو اور شوہر طلاق دے دے تو ایسی حالتوں میں اتنی شدید حرمت دونوں کے درمیان ہرگز پیدا نہ ہوگی۔ حرمت کی یہ شدت صرف عورت سے مال فدیہ لے کر طلاق دینے کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

**اتنا شدید حکم کیوں ہوا** ظاہر ہے کہ عورت شوہر سے جب تک بیزار نہ ہوگی اپنے شوہر سے خود طلاق کا مطالبہ کبھی نہ کرے گی اور جب تک عورت اپنے شوہر سے حد سے زیادہ بیزار نہ ہوگی وہ اس سے اپنی گلو خلاصی اپنا مال دے کر کبھی حاصل نہ کرے گی۔ تو جس عورت نے شوہر سے اپنی غایت بیزاری کا ثبوت اس طرح دیا ہو کہ اپنا مال دے کر شوہر سے باصرار اس نے طلاق خریدی ہو۔ اگر وہ پھر اسی شوہر سے دوبارہ نکاح پر راضی ہوگئی ہے تو اس کا وہ کیا ثبوت دے سکتی ہے کہ اب اس کی وہ بیزاری اس شوہر سے باقی نہ رہی جو پہلے تھی صرف زبانی اقرار پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ عورتوں کی متلون مزاجی مشہور ہے اس لئے اگر واقعی اس شوہر سے اس کی وہ بیزاری جو پہلے تھی باقی نہ رہی تو یہ اس کا عملی ثبوت اس طرح دے کہ دوسرے کسی مرد سے نکاح کرلے۔ اگر وہ اس کو طلاق دے دے بطور خود یا اس کے اصرار سے خلوت کے بعد یا خلوت سے پہلے کسی طرح سے بھی دوسرا شوہر طلاق دے دے یا یہ اس سے طلاق لے لے اور اب یہ اس پہلے والے شوہر کی طرف رجوع کرنا چاہتی ہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اب اس کی وہ پہلی بیزاری اس شوہر سے باقی نہ رہی۔ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ کچھ دنوں رہ چکی ہے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے دونوں شوہروں کے حسن معاشرت کا اندازہ کرکے سمجھا کہ اس دوسرے سے تو وہی پہلا شوہر اچھا تھا اس لئے اس سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے رجوع کرنا چاہتی ہے اور اگر دوسرے شوہر سے صرف زبانی نکاح کے بعد مساس سے پہلے اس نے طلاق لے لی ہے تو سمجھا جائے گا کہ پہلے

شوہر سے اپنی غلط بیزاری پر اس کو سخت ندامت ہے اور پہلے شوہر سے طلاق لے کر اس قدر پچھتائی کہ دوسرا نکاح صرف اسی لئے اس نے کیا کہ جو حرمت اس کے مال دے کر طلاق لینے کے باعث پیدا ہوگئی ہے باقی نہ رہے اور دوسرے شوہر سے مساس سے پہلے اس نے طلاق لے لی تاکہ اس کی عصمت اس پہلے شوہر کے لئے محفوظ رہے اور کسی دوسرے کا تصرف اس پر ہونے نہ پائے اس دوسری صورت میں اس کے سابقہ بیزاری کے بالکل دفع ہوجانے کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ و مجامعت کی شرط قرآنی یسر کو عسر سے بدلنے والے یریداللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر کی رحمت کو زحمت بنا دینے والے اور حکم رسول یسروا ولا تعسروا کی مخالفت کرنے والے عجمی تشدد پسند دین میں دشواریاں پیدا کرنے والے منافق قسم کے راویوں کی من گھڑت حدیثوں سے بیان کی جاتی ہے جو قرآن کے عموم کی تنسیخ اور دراصل تخریب دین و تغییر معاشرہ مسلمین ہی کی نیت سے گھڑی گئی تھیں۔

**تقیید مطلق** مفسرین لکھتے ہیں صرف سعید بن المسیب جو محدثین کے نزدیک جلیل القدر تابعی تھے فقط وہی یہاں حتی تنکح زوجا غیرہ میں صرف زبانی عقد نکاح کو کافی سمجھتے تھے۔ مگر جمہور نکاح کے بعد مجامعت کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں زوجہ رفاعہ والی حدیث کی وجہ سے۔ مگر قرآنی وسعت کو تنگی سے اور سہولت کو دشواری سے بدلنے کا الزام عائد ہو رہا تھا اس لئے اس الزام کو دور کرنے کے لئے مفسرین نے فرمایا کہ بات تو کچھ بھی نہیں ہے قرآن مجید میں نکاح کا لفظ مطلق تھا حدیث نے اس کو مقید کر دیا ہے اور یہ حدیث کا حق ہے۔ بے شک حدیث کو یہ حق حاصل ہے مگر یہ حق حدیث صحیح کو حاصل ہے جو واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو جس کی نسبت آنحضرت کی طرف صحیح ہو نہ کہ منافقین عجم کے مفتریات کو یہ حق حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے کسی لفظ مطلق کی تقیید وہیں فرمائی ہے جہاں وہ لفظ مطلق کی معنوی وسعت کئی پہلو رکھتی

ہو۔ بعض ان میں سے سختی و دشواری رکھتے ہوں' بعض نرمی و سہولت' تو آپ نے اسی پہلو سے اس کو مقید فرمایا ہے جس میں سختی و دشواری کا پہلو ترک ہو جائے اور نرمی و سہولت کا پہلو باقی رہے جیسے شوہروں کو اجازت ہے کہ اگر بیویاں وعظ و نصیحت سے بھی راہ راست پر نہ آئیں اور سرکشی و نافرمانی نہ چھوڑیں تو ان کو خوابگاہ میں اپنے سے الگ رکھیں اس سے بھی اپنی عادت اگر نہ چھوڑیں فاضربوھن تو ان کو مارو۔ "مارنا" لفظ مطلق تھا۔ مار سخت سے سخت بھی ہو سکتی ہے اور معمولی ہلکی مار بھی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ مطلق کی تقیید فرمادی کہ غیر مبرح سے یعنی ضرب شدید نہ ہو۔ ایسی مار نہ ہو کہ مار کے بعد جسم پر اس مار کا اثر کچھ بعد تک رہ جائے۔ یہ تقیید ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رحمت اللعالمین کی طرف سے ہے کہ آپ نے سختی و شدت کے پہلو کو ترک کرکے نرمی و سہولت کے پہلو کو معین فرمادیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے منشاء کو جانتے تھے کہ یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۔ اس لئے آپ نے عسر کے پہلو کو ترک کرکے یسر کے پہلو کو اختیار فرمایا اور یہاں نکاح کا لفظ بے شک مطلق ہے اس میں دشواری و شدت کا بھی ایک پہلو ہے اور نرمی و سہولت کا بھی۔ فطرت نبویہ سے یہ بالکل بعید ہے کہ آپ منشائے الہی کے خلاف اپنی شان رحمت اللعالمینی کے خلاف ایک حکم مطلق کے سہل اور آسان پہلو کو چھوڑ کر دشوار و سخت پہلو سے اس کو مقید کریں ۔ وہ بھی خلع بالمال کرانے والی کو نہیں بلکہ ایک بے قصور کو جس کو شوہر نے اپنی عجلت پسندی سے تین طلاق دے دی تھی۔ خود اس مطلقہ غریب کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ مال دے کر خلع کروانے والی کو اگر یہ حکم ہوتا تو سمجھا جاتا کہ وہ مجرمہ تھی اس لئے اس کو سخت سزا دی گئی۔ یہ روایت تین طلاق پانے والی کے متعلق کہی جاتی ہے اور پھر یہ بھی حدیث ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں بھی دو برس تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں۔ فرمایئے کس حدیث کو صحیح ماننا چاہیئے؟ اس کو کہ

عہد نبوی و صدیقی و آغاز عہد فاروقی میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں؟ یا اس زوجہ رفاعہ والی حدیث کو کہ ان کو تین طلاق ملی تھیں اس لئے حلالہ مع الجماع پر ان کو مجبور کیا گیا مقصد یہ تھا کہ زن و شو میں تفریق دائمی پیدا کرادیں اور پھر تین طلاق جس کو قرآن نے منسوخ کر دیا ہے اس کے رواج کو از سرنو قائم کر دیں تاکہ قرآنی حکم تو اٹھ جائے اور جاہلیت کا مشرکانہ رواج قائم رہے۔ اسی لئے انہوں نے زوجہ رفاعہ کو تین طلاق کی مطلقہ قرار دیا' اور حلالہ کی ضرورت جو مختلعہ کے لئے قرآن مجید میں ہے اس کو تین طلاق پانے والی کے لئے بتایا اور پھر محلل اور محلل لہ دونوں کو ایک حدیث گھڑ کر ملعون قرار دیا حالانکہ محلل لہ سے زیادہ محللہ کو کہنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ حتی تنکح میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہے وہ کسی شوہر سے بات طے کرکے نکاح کر سکتی ہے کہ دو ایک شب اپنے پاس رکھ کر وہ طلاق دیدے۔ ہو سکتا ہے کہ محلل لہ کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ وہ بے خبر محلل لہ کیوں ملعون ہوگا؟ پھر حضرت عمر کے متعلق بھی روایت گھڑی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر محلل اور محلل لہ میرے پاس لائے جائیں تو میں ان دونوں کو رجم کروں گا۔ یہ حدیث بھی خلاف حکم قرآن مجید سزائے رجم کو باقی رکھنے کے لئے گھڑی گئی ہے پھر ایسی سخت سزا محلل لہ غریب کو کیوں دی جائے گی جو بے قصور بھی ہو سکتا ہے۔ چاہئے تھا محلل اور محللہ کا ذکر کرنا۔ رجم اگر واقعی اسلام میں کوئی سزا ہے تو زانی اور زانیہ کے لئے اگر دونوں اپنا جفت رکھتے ہوں۔ محلل لہ تو شریک فی الفعل نہیں ہے۔ حضرت فاروق اعظم کا عدل مشہور ہے وہ کوئی خلاف انصاف بات کبھی اپنی زبان مبارک سے نہیں نکال سکتے تھے۔ غرض اس قسم کی ساری روایتیں منافقین عجم کی من گھڑت ہیں اور جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنے میں کسی طرح کی جھجک نہیں ہوتی تھی ان کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر افترا باندھنے میں کیا باک ہو سکتا تھا۔

**وہ نکتہ** اب اس نکتے کو بھی سمجھ لیجئے جس کے بیان کرنے کا وعدہ میں نے

حاشیہ ۲۷ لکھنے سے پہلے کیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فان طلقها فلا تحل له من بعد الا یہ کا عطف تعقیبی فلا جناح علیها فیما افتدت به پر ہے اور یہ جملہ جو معطوف تعقیبی ہے اسی معطوف علیہ کا تتمہ یا تکملہ ہے تو پھر دونوں کے بیچ میں جملہ معترضہ لے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ خصوصاً جب وہ بات بھی جو جملہ معترضہ کے بعد بیان فرمائی گئی ہے ما قبل جملہ معترضہ کے تکملہ کی حیثیت میں ہے اس لئے ضرور حدوداللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ اس تکملے کو پورا کرکے پھر آخر واو عطف کے ساتھ فرمایا ہی گیا وتلک حدود اللّٰہ یبینها لقوم یعلمون۔ اگر وہ جملہ معترضہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان نہ لایا جاتا تو یہاں دوبارہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اصل یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق اور انسانوں کے نفسیات کا خالق ہے لوگوں کے نفسیات پر بغیر کھل کر کچھ کہے محض فحوائے کلام سے کس طرح اثر ڈالا جا سکتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے الا یعلم من خلق اللہ تعالیٰ نے تو خود یہیں پر فرما دیا ہے کہ وتلک حدوداللّٰہ یبینها لقوم یعلمون اور یہ حدوداللہ ہیں ان کو اللہ ان لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے جو لوگ علم رکھتے ہیں۔ سورہ محمد میں ارشاد ہے افلا یتدبرون القران طام علی قلوب اقفالها لوگ قرآن میں کیوں تدبر (غور و فکر) سے کام نہیں لیتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ مگر جب روایات کی گہری سیاہ عینک ذہن کی آنکھوں پر چڑھتی ہے تو قرآنی حسن و جمال پوری طرح کیا نظر آسکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان جو نکاح کا میثاقاً غلیظا" ہوتا ہے اس پیمان وفا اس عہد محبت و مودت کے توڑنے کے اظہار کا نام طلاق ہے اور فرمایا گیا ہے ان العهد کان مسؤلا اس لئے بلا وجہ یا محض معمولی سی بات پر یا ساس سسر یا سالے سے ان بن ہوئی تو ان کا غصہ بیوی پر نکالنے اور ان کا انتقام بیوی سے لینے کے لئے طلاق دیدینا جو عموماً دیکھا جاتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اسی لئے طلاق کو ابغض المباحات کہتے

ہیں اس کی اجازت تو ہے مگر بہت ناپسندیدگی کے ساتھ مجبوری درجے ہیں۔

شوہر کے طلاق دینے سے زیادہ ناپسندیدہ ہے عورت کا مطالبہ طلاق اس لئے کہ عہد وفا اور پیان محبت و مودت لینے والی عورت ہی ہوتی ہے واخذن منکم میثاقا غلیظا تمہاری بیویوں نے تم سے بہت مضبوط پیان محبت لیا ہے تو جو خود عہد لے وہی عہد توڑ دے یقیناً یہ اس سے زیادہ برا ہے کہ جس سے عہد لیا گیا ہو وہ عہد توڑ دے اور اس سے بھی زیادہ برا ہے کہ عہد لینے والی اپنے سے عہد کرنے والے کو مال دے کر اس کو مجبور کرے کہ وہ عہد توڑ دے تو استطلاق یعنی خلع بالمال ابغض ہی نہیں بلکہ ابغض ترین مباحات ٹھہرا۔ جبھی تو جاہلیت میں لوگ اس کو گناہ سمجھتے تھے اور مال دے کر طلاق لینے والی اور مال لے کر طلاق دینے والے دونوں گنہگار سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عہد شکنی نہایت بری بات ہے۔ عہد نکاح کے توڑنے کی اجازت سعی مصالحت کی کئی منزلیں طے کرنے کے بعد دی گئی ہے۔ خلع بالمال اس کی بدترین صورت تھی اس لئے غیرت خداوندی نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ اس کا ذکر حدوداللہ جیسی محترم چیزوں کے شمول میں کیا جائے۔ اس لئے صرف اس کے گناہ ہونے کا خیال غلط جو اہل جاہلیت کو تھا اس کو خیال غلط بتا دیا گیا کہ کسی بات کا گناہ ہونا یا گناہ نہ ہونا اس کا تعلق ضرور حدوداللہ سے ہے۔ اس لئے اس کو صرف اتنا بتا کر کہ فدیہ دے کر عورت کا طلاق لینا اور فدیہ قبول کرکے شوہر کا طلاق دینا کوئی گناہ نہیں ہے نہ اس سے وہ عورت گنہگار ہوگی نہ شوہر گنہگار ہوگا۔ اس کے بعد قصداً استطلاق بالافتداء کے مسئلے کو ناتمام چھوڑ کر جملہ معترضہ لاکر گزشتہ ساری باتوں کو حدوداللہ قرار دے کر فرمایا کہ ان حدود سے باہر نہ نکلو جو لوگ بھی ان حدود سے باہر نکلیں گے وہ ظالم ہی ہوں گے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد فان طلقها اس طرح فرمایا گیا کہ گویا یہ ایک غیر متوقع بات ہوئی۔ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ شوہر اس عورت کو راضی کرتا کہ وہ طلاق کا مطالبہ نہ کرے اس سے راضی نہ ہوتی تو دوسرے لوگوں کو درمیان میں ڈالتا۔ دو حکم کھڑے کرتا اور اس عورت کو اس ارادے سے باز رکھتا اور اس کو طلاق نہ دیتا

یا مال فدیہ قبول نہ کرتا' عورت کا اصرار تھا تو فدیہ لئے بغیر طلاق دیتا۔ مگر اس نے اگر طلاق دے ہی دی مال فدیہ لے کر فلا تحل لہ من بعد تو اس فدیہ دینے اور لینے کے بعد یہ عورت اپنے اس شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی' جب تک اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ پورا حکم بیان فرمانے کے بعد پھر واو عطف کے ساتھ کہدیا کہ اور یہ حدوداللہ ہیں علم والی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ ان کو بیان فرما رہا ہے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ فدیہ دے کر ۳۱۔ ۳۲۔ طلاق لینے والی اور فدیہ لے کر طلاق دینے والے کے متعلق جو حکم فرمایا گیا یہ حدوداللہ سے خارج ہیں۔ ایسا نہیں ہے یہ سب حدوداللہ ہی میں داخل ہیں۔

۳۱۔ قولہ تعالیٰ حتی تنکح زوجا غیرہ وہ فدیہ دے کر طلاق لینے والی فدیہ لے کر طلاق دینے والے شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی جب تک وہ اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

اس آیت میں تین لفظوں پر غور کرنا ہے۔ حتی' تنکح اور زوج اس لئے الگ الگ سب پر غور فرما ہے۔

ا۔ حتی کا لفظ کئی مفہوم کے لئے آتا ہے۔ انتہائے غایت کے لئے بہت زیادہ آتا ہے اور یہاں یہی مفہوم مراد ہے۔ مگر یہ جب فعل مستقبل پر آتا ہے تو اس کا ناصب ہوتا ہے۔ نحوی تو کہتے ہیں کہ جب فعل مستقبل پر آئے گا جبھی ناصب ہوگا' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۶ میں ہے حتی یقول الرسول حالانکہ یقول یہاں مستقبل نہیں ہے بلکہ جعل یقول کے معنی میں ہے۔ زمانہ گزشتہ کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے لیکن ناصب ہے۔ یہ ایک ضمنی بات تھی اب ذیل کے نمبرات دیکھئے:

ا۔ حتی جب دو فعلوں کے درمیان آتا ہے تو پہلے فعل کی انتہائے غایت دوسرے فعل کو ثابت کرتا ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا صورت میں حتی کا ماقبل مسبب ہوتا ہے اور اس کا مابعد اس کے ماقبل کا سبب۔

۳۔ یہ سببیت کبھی قطعی ہوتی ہے' کبھی حکمی۔

۴۔ پہلے فعل پر حرف نفی آتا ہے یہ ثابت کرنے کے لئے جب تک دوسرا فعل واقع نہ ہولے گا پہلا فعل واقع نہیں ہو سکتا۔
۵۔ حتی کے بعد کی مسبب اگر قطعی ہو تو قائل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامع مابعد حتی کے وقوع کا منتظر و متوقع رہے اگر وہ ماقبل کے وقوع کا خواہش مند ہے۔
۶۔اگر مابعد کی مت محض تحکمی غیر ممکن ہوتی ہے جو تحکما ظاہر کی گئی ہے تو قائل کا مقصود سامع کو ماقبل حتی کے وقوع سے مایوس و ناامید کر دینا ہوتا ہے اور ماقبل کے وقوع سے انکار تام اس کی مراد ہوتی ہے جیسے ص لا یدخلون الجنته حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کفار و مشرکین جنت میں داخل نہ ہوں کے جہاز کھینچے والا موٹا رسا سوئی کے ناکے میں جب تک نہ سما جائے۔ سوئی کے ناکے میں جہازی موٹے رسی کے داخل ہوجانے کو جو غیر ممکن ہے سبب قرار دیا گیا ہے کفار مشرکین کے دخول جنت کا تو جب وقوع سبب غیر ممکن ہے تو وقوع مسبب ضرور غیر ممکن ہی ہوگا۔ قائل تبارک و تعالٰی کا مقصد بیان یہ ہے کہ وہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

تو یہ چھٹی صورت تو یقیناً حتی تنکح زوجا غیرہ میں نہیں ہے اگرچہ فقہا نے روایات کی پیدا کردہ ایسی شرطیں اس میں لگا دی ہیں کہ یہاں یہی چھٹے نمبروالا حتی زبردستی ماننا پڑے گا اگرچہ نہیں ہے۔

تو جب چھٹے نمبروالا حتی یہاں نہیں ہے تو یقیناً قائل تبارک و تعالٰی نے ان دونوں زن و شو کو باہم دوبارہ ملنے سے ناامید نہیں کیا ہے بلکہ امید دلائی ہے اور وقوع مابعد حتی یعنی کسی دوسرے سے اس عورت کے نکاح کر لینے کے بعد دونوں کے پھر دوبارہ ملنے کی صورت بتا دی ہے فان طلقھا فرماکر۔

۳۲۔ تکح نکاح کا لفظ مجامعت کے معنی میں بھی آتا ہے اور صرف زبانی ایجاب وقبول کے معنی میں بھی جیسا کہ منکوحہ غیر ممسوسہ کے متعلق طلاق والی آیت میں مذکور ہے۔ مجامعت مرد کرتا ہے عورت نہیں کرتی اس لئے نکاح کا فاعل مرد ہی ہوسکتا ہے اگر نکاح بمعنی مجامعت ہو۔ عورت منکوحہ ہوتی ہے ناکحہ نہیں ہوتی۔ مگر

زبانی ایجاب و قبول میں مرد و زن دونوں برابر یکساں طور سے حصہ لے سکتے ہیں۔ اس لئے عورت کی طرف جب "نکاح" کی نسبت فاعلی ہوگی تو اس "نکاح" سے زبانی ایجاب وقبول ہی مراد ہوں گے۔ مجامعت مراد نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید میں صرف تین جگہ نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جیسے اسی سورہ بقرہ کے تیسویں رکوع میں ہے ولا تعضلوھن ان ینکحن ازاوجھن۔ موجودہ طلاق دینے والے شوہروں کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ تم طلاق دے کر اپنے مطلقات کو قیدو بند میں رکھو کہ کہیں وہ آزاد ہوکر دوسرے شوہروں سے نکاح نہ کرلیں۔ یہاں وہی ایجاب و قبول ہے رشتہ قائم کرنا مقصود ہے۔ مجامعت کرنا مقصود نہیں اور سورہ نور میں ہے من النساء الا نی لا یرجون نکاحا۔ یہاں مجامعت ہی کے معنی میں ہے ورنہ زبانی ایجاب و قبول تو سو برس کی بڑھیا بھی کر لے سکتی ہے مگر یہ مصدر مجہول یہاں ہے۔ مجامعت کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ مجامعت کئے جانے کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کو اس کی امید بالکل نہیں ہے کہ کوئی مرد ان سے ان کے بڑھاپے کی وجہ سے مجامعت کرنے کی طرف راغب ہوگا اور تیسری جگہ یہی ہے حتی تنکح زوجا غیرہ میں۔ یہاں بھی صرف ایجاب و قبول ہی مراد ہے۔ اس لئے کہ عورت غریب کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۳۳۔ زوجا کہا جاتا ہے کہ زوجا تو بتا رہا ہے کہ وہ رشتہ قائم کر چی۔ تو جو زوج ہو چکا جس کا رشتہ قائم ہو چکا اس سے صرف ا یجاب و قبول دوبارہ کیا ہو گا۔ اب تو مجامعت ہی باقی ہے۔ اس لئے یہاں مجامعت ہی مراد ہے اگر مجامعت مراد ہوتی تو فرمایا جاتا حتی ینکحھا زوج غیرہ۔ صورت چونکہ مجامعت نہیں کر سکتی ہے اس لئے عورت کی طرف مجامعت کی نسبت فاعلی نہیں ہو سکتی۔

باقی زوجا" کا لفظ تو یہ ہونے والے شوہر کو شوہر کہا گیا۔ جس طرح ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن میں فرمایا گیا ہے ۔ کیا طلاق دینے کے بعد کوئی طلاق دینے والا شوہر اپنی مطلقہ کو دوسرے سے زبانی نکاح کرلینے کی تو اجازت دے

دیتا ہے تاکہ وہ اس کا زوج ہو جائے۔ مگر اس زوج سے اپنی مطلقہ کو قید میں رکھ کر مجامعت نہیں کرنے دیتا ہے۔ اس لئے یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری سلطلقات جو دوسروں کو ایجاب و قبول کے ذریعے اپنے ازواج بنا چکی ہیں تم ان کو مقید نہ رکھو ان کو اپنے شوہروں کے ساتھ مجامعت کرنے دو؟ کیا یہی معنی ہیں؟

ہونے والے شوہر کو شوہر کہنا من قتل قتیلا" کی طرح کوئی ایسی بات نہ تھی جو ہمارے ائمہ ادب مفسرین کے ذہن میں نہ آتی۔ مگر ان کو تو کسی نہ کسی طرح آیات کو روایات کے تابع رکھنا تھا اس لئے جہاں وہ خلاف اصول ادب عربی تک تاویلیں کرنے سے باز نہیں آتے وہاں مجاز کو حقیقت کہنا ان کے لئے کیا مشکل تھا۔

۳۴۔ قولہ تعالی فان طلقها ۔ اگر دوسرے شوہر نے اس کو طلاق دیدی طلاق کا لفظ عام ہے' اس لئے شوہر خود اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس عورت کے مطالبے پر طلاق دے بغیر کچھ مال لئے ہوئے یا کچھ مال لے کر کسی طرح بھی اگر طلاق دیدے' مجامعت کے بعد یا ہاتھ لگانے سے پہلے۔

حتی کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ حتی کا فعل ماقبل اگر منفی ہو تو وہ حرف نفی یہ ثابت کرتا ہے کہ جب تک حتی کا فعل مابعد واقع نہ ہو اس کا فعل ما قبل کبھی واقع نہ ہوگا۔ قائل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامع فعل ما قبل حتی کے وقوع سے مایوس نہ ہو فعل مابعد حتی کے وقوع کا انتظار کرے اور اگر سامع فعل ماقبل کے وقوع کا خواہش مند ہے تو فعل مابعد کے وقوع کا جو سامان مہیا کر سکتا ہو مہیا کرے جیسے سورہ یوسف میں ہے لن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی ۔ میں یہاں سے نہیں ٹلنے والا ہوں جب تک میرا باپ مجھ کو اذن نہ دے۔ حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے نے بھائیوں سے کہا تھا' بھائیوں کو بتا دیا کہ میرا یہاں سے ٹلنا باپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں یہاں سے ٹلوں تو باپ سے اس کی اجازت حاصل کرکے آؤ اور ارشاد ہے لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون۔ اپنی اس حالت کے منتظر رہو کہ تم جو کچھ بولو اس کو سمجھ سکو۔ جب تمہاری ایسی حالت ہو جائے تو مسجد کے قریب جاؤ' ایسی حالت کا پیدا

ہو جانا متوقع ہے۔ منافقین کا قول نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ اہل مدینہ کو کہتے تھے لا تنفقوا علی من عند رسول اللّٰہ حتی ینفضوا منافقین اہل مدینہ انصار سے کہتے تھے کہ جو لوگ رسول اللہ کے ساتھ ہیں (یعنی مہاجرین) ان کو کچھ دیا نہ کرو اور ان کی ذات میں اپنا مال خرچ نہ کیا کرو تاکہ یہ (تنگدستی سے مجبور ہو کر) منتشر ہو جائیں۔ ان کے نزدیک اہل مدینہ کا مہاجرین کی ذات میں خرچ نہ کرنا سبب ہوتا ان کے رسول اللہ صلعم کے پاس سے منتشر ہو جانے کا اور وہ خود اس کی توقع رکھتے تھے اور اہل مدینہ کو اس کی توقع دلاتے تھے۔

یہاں بھی فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ میں حتی یہ بتا رہا ہے کہ لا تحل لہ کا فرمان ابدی نہیں ہے۔ اگر یہ مختلعہ بالمال کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے تو یہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے اس کی توقع دلائی گئی مگر اب دوسری وجہ حرمت آگئی تھی کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہوگئی۔ اب دوسرے شوہر کے سوا یہ کسی کے لئے بھی حلال نہیں ہوسکتی۔ اس پہلے شوہر کے لئے کس طرح حلال ہوگی۔ تو اس کی ترکیب بھی بتادی فان طلقھا کہے۔ یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کر لینے سے جو عدم حلت کے باقی نہ رہنے کی جو توقع دلائی گئی ہے وہ مشروط ہے اس دوسرے شوہر کے طلاق دیدینے کے ساتھ۔ تو اگر یہ مختلعہ اپنے اس پہلے شوہر سے پھر ملنا چاہتی ہے تو وہ اس دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ طلاق کا لفظ عام ہے اس لئے عام رہے گا۔ چاہے شوہر خود سے اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس عورت کی استدعا پر۔ خلوت کے بعد یا خلوت و مساس سے پہلے۔

**ایک بات اور بھی** اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہاں فان طلقھا سے مراد طلقھا بعد استطلاقھا ہے اور قبل مساسھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں فان طلقھا کے بعد فوراً فلا جناح علیھما ان یتراجعا ہے اور طلاق کے بعد فوراً بغیر عدت کے اس عورت کا پہلے شوہر کے ساتھ تراجع جبھی ممکن ہے

کہ دوسرا شوہر خلوت و مساس سے پہلے طلاق دے دے یا یہ عورت اس سے خلع کرالے۔ صرف خلع بغیر کچھ مال دیئے یا کچھ دے کر ہی سہی۔

اگر کوئی کہے کہ ان یتراجعا کے بعد بعد تھا محذوف ہے۔ کیونکہ ہر مطلقہ پر عدت فرض ہے جب دوسرا شوہر طلاق دے گا تو وہ پہلے عدت پوری کرے گی اس کے بعد ہی پہلے شوہر سے تراجع کرے گی۔

تو میں کہوں گا کہ قرآن مجید کی رو سے عدت اس مطلقہ پر فرض ہے۔ جس کو شوہر از خود طلاق دے اور وہ طلاق رجعی ہی ہوتی ہے۔ یہاں فان طلقها سے طلاق رجعی مراد نہیں ہو سکتی۔ کیا دوسرا شوہر طلاق دے کر عدت سے پہلے امساک کرلے تو وہ مختلعہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی؟ بغیر تسریح کے حلال نہ ہوگی۔ اس لئے یہاں طلاق سے وہی طلاق مراد ہے جس سے فوراً تسریح ہو جائے جیسے غیر ممسوسہ کی اور مختلعہ کی طلاق۔ ہاں چونکہ لفظ عام ہے اس لئے اگر اس عورت نے دوسرے شوہر سے طلاق نہیں مانگی اور نہ شوہر نے از خود خلوت و مساس سے پہلے طلاق دی' خلوت کے بعد طلاق دی اور خود سے طلاق دی اور عدت میں امساک بھی نہ کیا عدت کے بعد تسریح کر دی تو اس صورت میں اگر یہ چاہے اور پہلا شوہر راضی ہو تو یہ اس سے تراجع کر سکتی ہے۔ فان طلقها سے مراد چونکہ طلاق تسریحی ہے اس لئے چاہے وہ ایسی طلاق ہو جس سے فوراً تسریح ہو جائے جیسے غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق ہے چاہے طلاق رجعی تو رجعی تھی مگر شوہر نے امساک نہ کیا اور عدت گزار کر اس نے تسریح کر دی اس لئے یہاں فان طلقها میں تسریحی طلاق مراد ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہاں طلاق بمعنی تسریح ہے مگر تسریح بمعنی طلاق کہیں نہیں ہے۔

**ایک قابل غور بات** فان طلقها یعنی دوسرے شوہر نے اگر طلاق دیدی۔ اس کے متعلق مفسرین فقہا کے اتباع میں اور فقہا روایات کے اتباع میں لکھدیتے ہیں کہ اگر دوسرا شوہر بھی اتفاقاً طلاق دے یعنی کسی دوسرے مرد سے یہ

طے کر کے نکاح نہ کیا جائے کہ تم ایجاب و قبول کے بعد جماع و مساس کے قبل ہی مجھ کو طلاق دید یجیو اور نہ یہ کہ ایک شب دو شب اپنے ساتھ رکھ کر ہی سہی مجامعت کے بعد ہم کو طلاق دید یجیو۔ بلکہ کوئی اتفاقی سبب ایسا ہو جائے کہ یہ دوسرا شوہر بھی اس کو بطور خود طلاق دے دے مگر یہ اتفاقی طلاق تو ایک امر موہوم ہے کوئی شخص بھی کسی سے نکاح کرتا ہے تو طلاق کا بھی ارادہ دل میں رکھ نہیں لیتا ہے اور نہ زن و شو میں سے کسی کو بھی نکاح کے وقت طلاق کا وہم بھی پیدا ہوتا ہے الا ماشاء اللہ مگر موت تو ہر شخص کے لئے ہے اگر یہاں اتفاقی طلاق مراد ہوتی تو یقیناً فان طلقھا کے بعد اوماث لکھ دیتے ہیں۔ جیسے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اوماث کہنا یہاں پر بھول گیا تھا مفسرین اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔

یہاں فان طلقھا صرف فرمانا اور اس کے بعد اوماث نہیں کہا اس کی کھلی دلیل ہے کہ یہاں اتفاقی طلاق مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں وہی طلاق مقصود ہے جو اس مطلقہ کے اختیار میں ہو جس کو وہ حاصل کر سکتی ہو' چاہے پہلے سے وہ اس دوسرے شوہر سے باتیں طے کر لے کہ تم خلوت سے پہلے ہی مجھ کو طلاق دید یجیو۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو دو ایک شب کے بعد ہی سہی ساتھ رکھ کر طلاق دید یجیو' چاہے ایجاب و قبول کے بعد یہ عورت دوسرے شوہر کو کچھ مال دے کر خلوت سے پہلے یا بعد اس سے طلاق لے لے۔ مگر چونکہ بہرحال طلاق دینا شوہر کے اختیار میں ہے اس لئے فان طلقھا فرمایا مگر اس دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرنا اس عورت کے اختیار میں بھی ہے اور موت کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی کے مرنے کا وقت کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ یہاں چونکہ مطلقہ بالمال کو جو پہلے شوہر کے لئے عدم حلت کا فرمان ملا اور پھر توقع بھی دلائی کہ عدم حلت کا حکم اٹھ جا سکتا ہے اگر تو کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے اب جو دوسری وجہ اس پہلے شوہر کے لئے عدم حلت کی ہے منکوحہ ہونے کی اس کو بھی تو اس سے طلاق لے کر رفع کر سکتی ہے۔ طلاق اختیاری بات تھی اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ موت اختیاری بات نہ تھی اس لئے فان طلقھا کے بعد اوماث نہیں فرمایا۔ کہیں اگر اتفاقاً دوسرے شوہر

کی موت نکاح کے بعد واقع ہو جائے دو چار دن بعد یا دو چار گھنٹے کے بعد تو حتی تنکح کی یہ عدم حلت کا حکم تو اٹھ چکا تھا فان طلقھا اس حرمت کے اٹھنے کی شرط میں داخل نہیں ہے جو خلع بالمال کے باعث پیدا ہو گئی تھی بلکہ منکوحہ غیر ہونے کے سبب سے جو ایک دوسری وجہ حرمت پیدا ہو گئی تھی اس کے رفع کے لئے فان طلقھا فرمایا گیا ہے اور یہ دوسری وجہ حرمت جس طرح طلاق سے رفع ہو سکتی ہے موت سے بھی رفع ہو سکتی ہے۔

۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ قولہ تعالیٰ فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللّٰہ ط

تو اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو یہ عورت اور اس کا وہ پہلا شوہر دونوں ایک دوسرے کی طرف (نکاح جدید کے ذریعے) لوٹ جائیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا۔

فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ سے یہاں تک دیکھ جایئے اور انصاف کی نظر سے دیکھئے اللہ تعالیٰ سے اور باز پرس آخرت سے ڈرتے ہوئے کہ وہاں سے یہاں تک ایک ہی سلسلے کی باتیں ہیں یا نہیں؟ فلا جناح علیھما میں جس طرح ایک عورت مفتدیہ اور ایک مرد مستفدی کی طرف تشنیہ غائب کی ضمیر پھر رہی ہے انہیں دونوں میں سے مستفدی شوہر کی طرف پہلے فان طلقھا کے طلق کی ضمیر فاعل اور مفتدیہ کی طرف ضمیر مفعول پھر رہی ہے یا نہیں۔ پھر فلا تحل کی ضمیر فاعلی مفتدیہ کی طرف اور لہ کی ضمیر مجرور مستفدی کی طرف پھر تنکح کی ضمیر مونث غائب مفتدیہ کی طرف اور غیرہ کی ضمیر مجرور مستفدی کی طرف پھر فان طلقھا کی ضمیر مفعول واحد مونث غائب اسی مفتدیہ کی طرف پھر فلا جناح علیھما کی ضمیر تشنیہ غائب انہیں دونوں مفتدیہ و مستفدی کی طرف پھر ان یتراجعا کی ضمیر تشنیہ اور ظنا کی پھر ان یقیما کی ضمیریں جو تشنیہ ہی کی ہیں انہیں دونوں مفتدیہ و مستفدی کی طرف صاف طور سے پھر رہی ہیں یا نہیں؟ خدا لگی کہو کچھ تو ڈرو روز قیامت سے۔

یاد رکھئے اگر آپ نے دیانت کی بات نہ کہی اور اپنے ائمہ مجتہدین و محدثین و راویان حدیث کی بیجا پالائش بالکل زمانہ جاہلیت والی حمیت کی طرح کرتے رہے تو باللہ العظیم قیامت کے دن ان میں سے کوئی بھی آپ کے کچھ کام نہ آئے گا اور آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی بہت سخت باز پرس میں پڑیں گے۔

من نگویم کہ این مکن آں کن ☆ از خدا ترس و کار ایمان کن

۳۸۔ قوله تعالی و تلک حدودالله یبنیها لقوم یعلمون ط (آیت ۲۳۰) چونکہ اس آیت میں بھی جو جملہ معترضہ کے بعد شروع ہوا ہے چند باتیں مذکور ہیں عورت سے فدیہ لے کر شوہر کا طلاق دیدینا۔ اس فدیہ کے لین دین کے بعد طلاق پانے کے باعث اس مفتدیہ عورت کا اس مستفدی شوہر کے لئے قطعی حرام ہوجانا اور اس حرمت کا اس وقت تک باقی رہنا جب تک وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے پھر اس دوسرے شوہر سے اس کا طلاق پانا پھر پہلے شوہر کے ساتھ اس کا تراجع۔ اس لئے فرمایا وہی نہیں جو جملہ معترضہ سے پہلے مذکور ہوئیں بلکہ یہ سب باتیں بھی ضرور حدوداللہ ہی میں ہیں۔ اللہ اپنے ان حدود کو ایسی قوم کے لئے بیان فرما رہا ہے جو علم رکھتی ہے اور اس کے حدود کی عظمت و حرمت کو جانتی ہے۔

۳۹۔ لقوم یعلمون۔ علم کا اصل مرکز و مستقر تو دماغ ہے مگر اس علم کی روشنی سے قلب منور ہوجاتا ہے اور قلب اگر امراض قلب میں مبتلا نہیں ہے تو اس کی فطری سلامت روی بہت اجاگر ہوجاتی ہے اور پھر اپنے ساتھ وہ دماغ کو بھی سلامت روی کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنے قلب کو ہوا و ہوس اور عصبیت جاہلیت و غلو اور پھر ان سب کے ساتھ ضد اور ہٹ دھرمی کی تاریکیوں سے بھرا رکھتے ہیں اس لئے اگر ان کے دماغ میں علم رہتا بھی ہے تو وہ ان کا علم ان کے قلب کو مطلق روشنی نہیں پہنچاتا۔ الٹا دماغ قلب کے ان امراض سے متاثر ہوکر بطور خود اپنے علم سے کام لینے لگتا ہے اور یہ امراض قلب دماغ کو بھی تحلل کئے بغیر

نہیں رہتے اس لئے دماغ اس علم سے ہدایت کا نہیں بلکہ ضلالت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر انسان اضلہ اللّٰہ علی علم کا مصداق ہو جاتا ہے۔ ایسی جگہوں میں قلب سلیم ہی والے اہل علم مراد ہوتے ہیں جو حدود اللہ کی اہمیت و عظمت کو سمجھتے ہیں اور کبھی ان حدود سے باہر نہیں نکلتے۔

۴۰۔ قولہ تعالٰی واذا طلقتم النساء۔ دیکھئے وہ فدیہ دینے والی اور فدیہ لینے والے زن و شو کے متعلق سارے مسائل ختم ہو گئے تو اب پھر عام طلاق دینے والوں کے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے اور وہ سلسلہ کلام پھر شروع ہو گیا جو دو زن و شو کی خاص حالت .سبب طلاق یا سبب استطلاق شوہر کے مطالبہ مال یا عورت کے افتداء کے متعلق مسائل سے پہلے عام طور سے طلاق دینے والے شوہروں اور طلاق پانے والی عورتوں کے بارے میں بصیغہ جمع چلا آرہا تھا۔ تو حسب دستور شوہروں کو بصیغہ جمع مذکر اور عورتوں کو النساء کہہ کر یا بصیغہ جمع مونث غائب ذکر کیا گیا ہے جملہ معترضہ کے بعد فان طلقها کا عطف اگر الطلاق مرتن پر ہوتا تو یقیناً آیت ۲۳۰ کی سب ضمیریں جمع کی ہوتیں کیوں کہ جس طرح الطلاق مرتن عام طلاق دینے والوں کے لئے ہے اسی لئے اس پر عطف جو ولا یحل لکم ان تاخذوا الایہ کا ہے اس میں سب ضمیریں جمع ہی کی آئی ہیں اسی طرح عام طلاق دینے والوں کے متعلق آیت ۲۳۰ میں بھی احکام ہوتے تو اس آیت کی بھی ساری ضمیریں جمع کی آتیں۔

یہاں سے البتہ پھر عام مخاطبت ہے اس لئے شوہروں کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ اذا طلقتم النساء یہاں النساء پر لام عوض مضاف الیہ ہے یعنی نساء کم جب اپنی بیویوں کو طلاق دو اذا حرف شرط ہے اور ظرف زمان بھی جس جملے پر آئے گا وہ جملہ شرط ہو گا۔ مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ جس زمانے میں بھی اس جملہ شرط کے مفہوم کا وقوع ہو گا ضروری ہے کہ جملہ جزاء کا بھی اس زمانے میں فوراً ہی وقوع ہو۔

۴۱۔ ۴۲۔ قولہ تعالٰی فبلغن اجلهن اس کا عطف تعقیبی اس جملہ شرط پر ہے

اس لئے اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن تک شرط ہے۔ اجل کہتے ہیں کسی مدت معینہ کے آخری لمحے کو۔ مطلب یہ ہے کہ اے طلاق دینے والو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے کر اپنے ارادہ فسخ نکاح کی خبر دے چکو اور وہ تین حیضوں والی اپنے تربص کی مدت کے آخری لمحے تک پہنچ جائیں۔

۴۳۔ ۴۴۔ قولہ تعالیٰ فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف تو اپنی مطلقات کو یا تو روک لو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت میں رہنے دو) یا ان کو منصفانہ دستور کے مطابق (اپنی زوجیت سے آزاد کرکے رخصت کردو۔

"جب اپنی عورتوں کو طلاق" کس قدر عام حکم ہے نہ کوئی قید تعداد کی ہے نہ کوئی قید نوعیت طلاق کی ہے نہ کوئی قید نیت طلاق کی ہے جس نیت سے' جن لفظوں کے ساتھ جتنی مرتبہ بھی شوہر اپنی عورت کو طلاق دے' عدت کے آخری لمحے تک اس کو امساک کا یعنی اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کر لینے کا حق علی الاعلان یہ آیت دے رہی ہے کس کی مجال ہے جو قرآن مجید کی اس بیانگ دہل اجازت سے کسی طلاق دینے والے مسلمان کو محروم کر دے چاہے اس نے تین نہیں تین ہزار بھی طلاق تین حیضوں تک روزانہ صبح و شام دوپہر تینوں وقت ہی کیوں نہ دیتا رہا ہے۔

یہی نہیں سورہ طلاق کی بھی دوسری ہی آیت میں ارشاد ہے بالکل اسی طرح واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف ۔ سب الفاظ بالکل وہی ہیں جو سورہ بقرہ کی آیت زیر بحث میں ہیں۔ صرف سرحوھن کی جگہ یہاں فارقوھن ہے جس سے تسریح کے معنی معلوم ہوگئے کہ اپنے سے جدا کردینا' رخصت کر دینے اور اپنے سے جدا کر دینے میں نفس مفہوم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اہل لغت قرآنی الفاظ کے معنی خود قرآن مجید ہی سے شاذونادر ہی لیتے ہیں۔ عجمی راویوں کے تفسیری غیر معتبر اقوال سے زیادہ تر لیا کرتے ہیں اسی لئے وہ تسریح اور سراح کے معنی "طلاق" لکھدیتے ہیں۔ حالانکہ تسریح اور سراح کا لفظ پورے قرآن مجید میں ایک جگہ بھی طلاق کے معنی میں نہیں

آیا ہے۔ طلاق کا لفظ البتہ مجازاً کبھی تسریح کے معنی میں آجاتا ہے چونکہ طلاق نام ہے ارادہ فسخ نکاح کے اظہار کا۔ امساک سے تو یہ ارادہ ہی فسخ ہوجاتا ہے اس لئے طلاق باقی ہی نہیں رہتی۔ عدت ختم ہوجانے کے بعد تسریح ہی سے طلاق کی یعنی ارادہ فسخ نکاح کی تکمیل ہوتی ہے تو ابتداء طلاق سے ہوتی ہے اور خاتمہ تسریح پر ہوتا ہے۔ اول باخر نسبتے دارد۔ اس لئے مجازاً کبھی طلاق کو بمعنی طلاق تسریحی کہدیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے اس آیت ۲۳۰ (سورہ بقرہ) میں فان طلقھا دوجگہ ہے اور دونوں جگہ طلاق تسریحی مراد ہے اس لئے اگر کوئی طلقھا کی تفسیر میں اے سرحھا لکھدے تو غلط نہ ہوگا مگر اس کو سمجھنا چاہئے کہ طلاق کے لفظ سے طلاق تسریحی کسی جگہ مراد ہونا اور بات ہے اور طلاق کے معنی ہی تسریح ہونا اور بات جیسے کہیں کہ ہر مسلمان کو چار شادی بیک وقت کرنے کی اجازت ہے گو مراد یہاں مسلمان مرد ہیں مگر مسلمان کے معنی مرد نہیں ہیں۔ اسی طرح "طلاق" کا لفظ عام بول کر اس کی ایک قسم مراد لینے کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ دونوں لفظ مترادف ہوگئے اور جہاں مفہوم عام مراد لینا ہو وہاں بھی اس کی اس خاص قسم کا نام استعمال کرسکتے ہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

۴۵۔ ۴۶۔ قولہ تعالٰی ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا ومن یفعل دلک فقد ظلم نفسہ۔ طلاق دینے والے شوہروں سے فرمایا گیا ہے کہ تم اپنی مطلقات کو جو اپنی زوجیت میں روک لو اور اپنے ارادہ فسخ نکاح سے رجوع کرو تو ان کو دق کرنے پریشان کرنے اور ستانے کے لئے نہیں کہ ان کو اپنی زوجیت میں رکھ کر ان پر زیادتی کرتے رہو۔ یاد رکھو جو ایسا کرے گا وہ آپ اپنے پر ظلم کرے گا۔

۴۷۔ قولہ تعالٰی ولا تتخذوا ایات اللّٰہ ھزوا ط اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ۔ اس کے مخاطب بظاہر تو طلاق دینے والے شوہر ہی ہیں۔ یعنی شوہروں کو کہا جاتا ہے کہ تم کو بتقاضائے ضرورت طلاق دینے کی اجازت جو دی گئی ہے اور عدت کے اندر امساک کا بھی حق دیا گیا ہے تو اب ایسا نہ کرو کہ جب کسی بات پر غصہ آیا' بغیر شرائط طلاق کو ملحوظ رکھے زمانہ جاہلیت کی طرح غصے میں بیوی کو

طلاق دیدیا کرو اور جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو پھر امساک کرلیا کرو اور ایسا بار بار کرتے رہو۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک اللہ کی آیتوں کو ہنسواتا ہے۔

مگر اس کے مخاطب وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو منافقین عجم کی مخالف قرآن مجید غیر منصفانہ و ظالمانہ اور مخرب معاشرہ متشددانہ من گھڑت حدیثوں کے مطابق آیات قرآنیہ میں لفظی و معنوی تحریفیں کرکرکے ایسے مسائل نکالے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی آسانیاں دشواریوں سے بدل جاتی ہیں اور زن و شو کے درمیان بلا وجہ تفریق پیدا ہوجاتی ہے اور اغیار کو ان قوانین پر جن کو یہ لوگ قرآنی و اسلامی قوانین کہکر پیش کرتے ہیں ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

۴۸۔ قولہ تعالیٰ واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمتہ یعظکم بہ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو جو تم پر ہیں اور جو اس کتاب کی اور حکمت کی باتیں اس نے تم پر اتاری ہیں جن سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے' زن و شو کے درمیان جو معاشرے کی خرابیاں اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اور دوسری قوموں میں بہت تھیں ان سب کی اصلاح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کی آیتوں کے ذریعے کر دی اور حکمت کے اہم ترین ابواب تہذیب الاخلاق اور تدبر المنزل اور حسن معاشرت کی تعلیم اور ان ضروریات زندگی سے متعلق ہر طرح کی نصیحتیں ترغیب و ترہیب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں جو قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ حکم ہے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد رکھو تاکہ تمہارے قلوب اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کے جذبے سے کبھی خالی نہ رہیں اور تم ان آیات قرآنیہ و کلمات حکمت کو یاد رکھو تاکہ ان کے مطابق عمل کرو اور اپنے اہل و عیال سے ان کے مطابق عمل کراؤ کہ تمہارا معاشرہ ہر طرح کی خرابیوں سے پاک رہے اور تم جنتی ماحول میں دنیاوی زندگی بسر کرو۔

۴۹۔ واتقوا للہ۔ تم اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو اور اس کی نصیحتوں کو جبھی یاد

رکھ سکو گے اور دنیاوی ماحول میں رہ کر جنتی ماحول اپنے گھروں میں جبھی پیدا کر سکے گو کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اس سے بچتے رہنا' جیسے سانپ سے آگ سے بچنا۔ یا کسی با اقتدار با اختیار کے ڈر سے اس کی خفگی سے بچنا۔ پہلے مفہوم کی مثال قرآن میں ہے اتقوالنار التی اعدت للکفرین اس آگ سے بچتے رہو جو (دوزخ) میں کافروں کے لئے مہیا رکھی گئی ہے اور دوسرے مفہوم کی مثال یہی آیت ہے اتقو اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

۵۰۔ واعلموا ان اللّٰہ بکل شئی علیم ط (آیت ۲۳۱) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز ہر بات کا علم ہے تم اپنے دل میں جو خواہش رکھتے ہو جو جو ارادے کرتے اور رکھتے ہو چاہے تم اس کو کسی پر ظاہر کرو یا نہ کرو' اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جانتا اور اچھی طرح جانتا ہے ان السمع والبصرو الفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤلا کانوں سے کیا کیا سنا۔ آنکھوں سے کیا کیا دیکھا اور کیسی کیسی نیتیں اور کیسے کیسے ارادے دل میں پیدا ہوتے رہے اور ان کی تکمیل کی کیا کیا تدبیر سوچتے رہے سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے۔

تو پھر قرآنی آیات کے معانی سمجھنے میں کون کہاں تک قرآن کو قرآن ہی سے ہر طرح سے بالکل خالی الذہن ہو کر سمجھتا ہے کون اپنی خواہش اپنے کسی خاص نقطہ نظر کے مطابق قرآنی آیات سے کھینچ تان کر مطلب نکال رہا ہے کون اپنی غالیانہ فرقہ پرستی کے جذبات کے ماتحت قرآنی آیات سے مطلب نکالتا ہے اور کون عجمی راویوں کی من گھڑت حدیثوں کا تابع آیات قرآنیہ کو بنا کر ان آیات کی تفسیر کرکے اپنی روایت پرستی کا حق ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور سب کو جانتا ہے اور حساب و کتاب کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال اور اس کی نیتوں کے مطابق ہی جزاء و سزا دے گا۔ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء اللھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم○

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر سیدنا محمد والہ واصحابہ

واھلبیتہوبارکوسلم

والحمدللہرب العالمینO

# تین طلاق کا بھوت

عجمی منافقین و ملاحدہ جو صرف تخریب دین کے لئے جھوٹی حدیثیں دین کے ہر مسئلے کے متعلق باہم متضاد و متخالف بنا بنا کر کوفہ و بصرہ و خراسان و نیشاپور وغیرہ سے پھیلایا کرتے تھے ان کی گھڑی ہوئی تین طلاق کی روایتیں بہت زیادہ پھیلیں اور ہر جگہ اس قدر مشہور کی گئیں کہ بڑے بڑے اکابر فقہا و محدثین کو ان رواتوں کے متواتر ہونے کا یقین ہوگیا اور ان منافقین کے تین طلاق والی حدیثوں کے پھیلانے میں تین تین مقصد تھے ایک تو تخریب دین دوسرا تخریب معاشرہ مسلمین تیسرا علی الرغم قرآن مبین کہ قرآن مجید نے تین طلاق والی رسم جاہلیت کو منسوخ کرکے دو طلاق کی حد بندی کر دی ہے تو ہم تین طلاق والی رسم جاہلیت کو منسوخ نہ ہونے دیں گے۔ اور مسلمانوں میں جاری رکھیں گے اس لئے اس کی بہت کافی اشاعت کی جس سے عام طور سے فقہاء و محدثین تین طلاقوں کی حدیثوں کو ان کے جھوٹے تواتر کو دیکھ کر اس کی صحت کا یقین کرنے لگے۔ قرآن مجید میں ان کو تین طلاق کا کہیں پتا ملتا نہ تھا پھر الطلاق مرتن کی حد بندی بھی دیکھ رہے تھے مگر منافقین نے پہلے سے اس کو سوچ رکھا تھا کہ قرآن سے تین طلاق کا ثبوت اگر پوچھا جائے تو کیا جواب دیا جائے۔

تو ایک حدیث بنائی کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ قرآن میں الطلاق مرتن کو دیکھتے ہیں؟ تو پھر تیسری طلاق کہاں گئی؟ تو آپ نے بتایا تیسری طلاق اور تسریح باحسان ہے۔ یہ حدیث درایتہ اور روایتہ ہر حیثیت سے جھوٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ یہ سوال کہ تیسری طلاق کہاں ہے اسی وقت کیا جا سکتا تھا جب۔ تیسری طلاق کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر صحابہ کو دیتے رہتے ہوں کہ جب طلاق دو تو تین طلاق یا تین طلاق تک تم دے سکتے ہو۔ اس کے بعد جو آیت اتری الطلاق مرتن

تو پوچھنے والے نے پوچھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وحی قرآنی کے دین کا کوئی حکم اپنی طرف سے دیتے ہی نہ تھے۔ اس لئے یہ سوال ہی غلط تھا۔ اور اگر یہ سوال کسی نے رسم جاہلیت کے اعتبار سے جاہلی ذہنیت کے ماتحت کیا بھی تھا تو آپ یقیناً یہی فرماتے کہ تیسری طلاق منسوخ و ممنوع ہوگئی اب دو طلاق سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے آپ خلاف واقعہ او تسریح باحسان کو تیسری طلاق کبھی نہ فرماتے۔

مگر منافقین نے اس روایت کی کمزوری محسوس کی تو فان طلقھا کے بعد اے طلقتہ ثالثہ کا جوڑ لگا کر اس کا عطف الطلاق مرتن پر ثابت کرنے کے لئے زور لگایا اور اس کے متعلق کچھ اقوال بعض سلف کی طرف منسوب کرکے روایت کرنے لگے اسی صورت میں ان کو ایک اور مقصد تخریب دین و تخریب معاشرہ مسلمین کا ہاتھ لگ گیا کہ جو حکم مختلعہ کے لئے تھا اس کو تین طلاق والیوں کے سر تھوپ دیا اور پھر اس کی تائید کے لئے تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے مطلقہ کا پہلے شوہر سے نہ مل سکنے کی روایتیں بنا بنا کر پھیلانے لگے اور اس قدر پھیلائیں کہ سارے مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین سب نے اس مصنوعی تواتر سے دھوکہ کھا کر اس کو تسلیم کرلیا وہ دور ہی تھا انہیں منافقین عجم کے نقارخانہ روایات کی وجہ سے خالص روایت پرستی کا' قرآن کی طرف نگاہ غور کوئی ڈالتا ہی نہ تھا۔ مفسرین جو قرآن مجید ہی کی تفسیر لکھ رہے تھے نقارخانہ روایات سے مرعوب تھے کسی نہ کسی طرح تاویلیں کرکرکے آیات کو روایات کا تابع بناتے رہے۔

مگر تین طلاق تسلیم کرنے کے بعد فقہاء کا یہ عالم ہوا کہ تین طلاق بھوت بن کر ان پر مسلط ہوگئی۔ کسی طرح پوری عمر میں بھی شوہر نے اپنی بیوی کو دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دیدی چاہے پچاس برس کے بعد ہی سہی بار بار امساک کے بعد یا بار بار نکاح کے بعد بس تیسری طلاق کے بعد وہ پھر اس شوہر کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوسکتی اور حلالہ کے ساتھ اس عورت کو جماع کرانا بھی ضروری ہے اور حلالہ کو حلالہ قرار دے کر اس سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں یا کم

سے کم ملعون بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہاں تک کہ غیر ممسوسہ جو ایک ہی طلاق میں مسرحہ ہوجاتی ہے اگر اس کو بھی تین طلاق یک مشت دیدی ہے تو جب تک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور اس نئے شوہر سے وہ مجامعت نہ کرالے اور وہ بھی اتفاقاً طلاق نہ دیدے پہلے شوہر سے اس کی مطلقہ غیر ممسوسہ کا نکاح ان کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ سمجھنا تھا کہ غیر ممسوسہ تو ایک ہی طلاق میں مسرحہ ہوگئی اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ اس کو تو دوسری طلاق بھی نہیں دی جاسکتی کہ طلاق دی جاتی ہے منکوحہ کو اور اس کا نکاح تو پہلی ہی طلاق سے ٹوٹ گیا تو کیا دوسری طلاق غیر منکوحہ کو دے گا؟ جس کو دوسری طلاق بھی نہیں دی جاسکتی اس کو یہ تیسری طلاق دلوا رہے ہیں اور اس پر خود ساختہ حکم لگا رہے ہیں۔

سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں سے ہے جو حدیثوں کو دین میں حجت نہیں تسلیم کرتے کہ وہ بھی تیسری طلاق کے بعد مطلقہ کو بغیر حلالہ کے پہلے شوہر پر حرام قرار دے رہے ہیں یہ لوگ تو حدیثوں کو دین میں حجت مانتے نہیں۔ اتباع قرآن مجید کا سب سے زیادہ دعویٰ رکھتے ہیں بلکہ اصل متبع قرآن مجید وہ آپ اپنے ہی کو سمجھتے ہیں اور پھر قرآن فہمی کا دعویٰ بھی دوسروں سے زیادہ رکھتے ہیں یہ کس بنیاد پر تین طلاق کا وجود مانتے ہیں؟ اور تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر تین طلاق والی مطلقہ کو شوہر سے ملنے نہیں دیتے؟ وہی تین طلاق کا بھوت ہے جو روایت پرستوں سے لے کر منکرین حدیث تک سب کے سروں پر مسلط ہے۔

**پہلی طلاق کا حساب باقی رہنا** جب یہ بات ثابت ہوچکی کہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق کے ماسوا از روئے قرآن ہر طلاق رجعی ہی ہوتی ہے اور یہ تسلیم شدہ ہے کہ رجعی طلاق سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ یعنی رجعی طلاق صرف ارادہ قطع رشتہ نکاح کے اظہار کا نام ہے اور صرف ارادہ فعل کے اظہار کو وقوع فعل نہیں کہا جا سکتا۔ شوہر نے پہلی بار طلاق دے کر صرف قطع رشتہ نکاح کے ارادے کا اظہار کیا تھا۔ رشتہ نکاح کو قطع نہیں کیا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد شوہر نے امساک کیا تھا رشتہ

نکاح کو قطع نہیں کیا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد شوہر نے امساک کرلیا تو معلوم ہوا کہ اس نے رشتہ نکاح قطع کرنے کا جو ارادہ کیا تھا اس ارادے کو اس نے فسخ کر دیا۔ عورت مطلقہ کی عدت بھی ختم ہو گئی۔ دس برس کے بعد اس نے پھر طلاق دی یعنی پھر ارادہ قطع رشتہ نکاح کا اظہار کیا تو یہ کہنا کہ یہ الطلاق مرتن والی دوسری طلاق ہوئی کیسی کھلی ہٹ دھری یا جہالت ہے۔ کیونکہ پہلی طلاق کا اب وجود ہی کہاں ہے جو یہ دوسری طلاق قرار پائے گی۔ ایک مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے چار سے زیادہ بیویاں کوئی مسلمان بیک وقت نہیں رکھ سکتا تو جس شخص کو تین بیویاں مرچکی ہوں صرف چوتھی زندہ ہو وہ اب اس چوتھی کے بعد کوئی نکاح کیا نہیں کر سکتا؟ ان تین متوفی بیویوں کا شمار کیا باقی رہے گا؟

امساک کے بعد ارادہ قطع رشتہ نکاح ختم ہوگیا تو پھر اس کی گنتی کیوں باقی رہے گی۔ پہلی طلاق کی گنتی کو امساک کے بعد بھی باقی رکھنے کی غرض صرف یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد بھی اگر شوہر نے امساک کرلیا اور اس کے بیس پچیس برس بعد بھی کہیں پھر طلاق دے دی تو پہلی دونوں طلاقوں کی گنتی ملاکر اس کو تیسری طلاق قرار دے کر فوراً دونوں کے رشتہ نکاح کو منقطع کرادیا جاسکے اور پھر بغیر حلالہ کے دونوں کو ملنے نہ دیا جائے۔ یہ درحقیقت اجتہاد و استنباط مسائل نہیں ہے بلکہ شرارت اور کھلی ہوئی شرارت ہے۔

**مجھ پر اعتراض** یہ لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تم کوئی حد طلاق کی متعین نہیں کرتے ہو تو کتنے لوگ ہر ہفتے بلکہ ہر روز بیوی کو طلاق دیا کریں گے اور پھر دوسرے دن یا چند گھنٹے کے بعد امساک کرلیا کریں گے۔ اس لئے تین طلاق کے بعد جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح کرکے اس سے بھی طلاق حاصل نہ کرے پہلے شوہر کے لئے اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے۔ یہی صحیح ہے۔

**یہ اعتراض مجھ پر نہیں ہے قرآن مجید پر ہے** یہی تو میرا بھی جی چاہتا ہے مگر جو میرا جی چاہتا ہے وہی مطلب کسی نہ کسی طرح میں قرآن مجید سے کھینچ تان

کر نکالنا اول درجے کی گمراہی بلکہ قریب بکفر سمجھتا ہوں۔

آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اگر قرآن مجید سے نکلتا ہے تو مجھ کو سمجھا دیجئے باللہ العظیم میرے ضمیر نے اگر تسلیم کرلیا میرے دل کو تشفی ہوگئی تو میں مان لوں گا اگر کوئی بزرگ یہ فرمائیں کہ شاید تو باوجود شہادت ضمیر کے ہٹ دھری کرلے اور کہے کہ میرا ضمیر نہیں مانتا میری تشفی نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ تیرے ضمیر نے مان لیا ہے اور تیری تشفی ہوگئی ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ ہٹ دھری کرنے والے پر جو دین کے کسی مسئلے میں بھی ہٹ دھری کرے اور ضمیر و قلب کی شہادت کے خلاف بیان کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور سارے لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ مگر آپ لوگوں سے بھی اس طرح عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے ڈریئے اور اللہ کے لئے ہٹ دھری نہ کیجئے۔ تشفی قلب و شہادت ضمیر کا ثبوت تو واضح ہے۔ اگر آپ کے دلائل کو میں قطع نہ کرسکوں اور واضح دلائل سے آپ کی دلیلوں کو غلط ثابت نہ کرسکوں پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہوں تو یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ میرے دل کی تشفی آپ کی دلیلوں سے ہوچکی ہے میرا ضمیر آپ کے دعوے کو آپ کی پیش کردہ دلیلوں کی وجہ سے یا کس وجہ سے بھی صحیح مان چکا ہے اس کے بعد بھی اگر اپنے قول اور اپنے خیال سے رجوع نہ کروں تو بے شک میں ہٹ دھرم اور مستحق لعنت ہوں گا۔

مگر آپ حضرات اگر میرے دلائل کا جواب معقول نہ دے سکیں اور میرے دعوؤں کو بھی تسلیم نہ کریں نہ میرے دعوؤں کو مانیں نہ میرے دلائل کا معقول جواب دے سکیں تو پھر آپ خود اپنے متعلق جو مناسب سمجھئے فرمایئے میں اپنے قلم سے کچھ نہ لکھوں گا۔

میرے محترم بزرگو بھائیو عزیزو! اللہ شاہد ہے کہ اسلاف کرام رحمہم اللہ کا احترام میرے دل میں بھی کافی ہے۔ مگر قرآن مجید کی عظمت و حرمت کے برابر نہیں۔ میں قرآن مجید کے ساتھ الحاد و ظلم کو مطلق برداشت نہیں کرسکتا۔ جہاں میں کھلم کھلا قرآنی آیتوں کے ساتھ تعدی و ظلم دیکھوں گا جس کے قلم سے

بھی ہو میں اس کا قلم توڑ دوں گا اس کا ہاتھ مروڑ دوں گا چاہے وہ ہمارے آباء و اجداد میں سے کوئی ہو یا پیران سلاسل میں سے یا اساتذہ میں سے چاہے وہ ساری دنیا کے نزدیک مسلم الثبوت مرشد کامل و شیخ الشیوخ و مجتہد اعظم و مفسر اکرم اور امام المحدثین والفقہاء ہی کیوں نہ ہو۔

مگر میں اتنا جاہل نہیں ہوں کہ اپنے آپ کو بھول چوک اور غلط فہمی سے بالاتر سمجھوں بلکہ مجھ کو اپنی علمی کم بضاعتی کا بھی پورا پورا علم ہے اس لئے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں اپنی جہالت کی وجہ سے کسی آیت کے معنی غلط سمجھ رہا ہوں۔ اگلے ہی مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین مجھ سے علم میں زیادہ نہ تھے بلکہ اس وقت بھی ہزاروں علماء دنیا میں اور اس پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی مجھ سے علوم دینیہ و ادبیہ کے ہر شعبے میں بہت زیادہ مہارت رکھتے ہوں گے جن کی پاسنگ میں بھی میں نہیں آسکتا اس لئے تو یہ کتاب آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ اس میں جہاں جہاں میری جہالت ہو میری غلط فہمی ہو اور میری بھول چوک ہو اس سے دلائل کے ساتھ مجھے حسبۃ اللہ مطلع فرمایئے اور مجھ کو غلط فہمی اور جہالت کی گمراہی سے بچا کر ثواب اور آخرت حاصل کیجئے اور مجھ کو ممنون فرمایئے۔ باللہ العظیم میں زندگی بھر آپ کا شاگردانہ شکرگزار رہوں گا اور آپ کو اپنا استاد و مرشد سمجھوں گا۔

اور اگر میرے دلائل صحیح ہیں آپ ان کو توڑ نہیں سکتے اگلوں پر جو میرے اعتراضات ہیں آپ ان کے جوابات نہیں دے سکتے تو اللہ کے لئے ضد اور ہٹ دھرمی نہ کیجئے اور اسلاف کی حمایت میں اگلوں کا بھرم رکھنے کے لئے قرآن مجید پر ظلم نہ کیجئے۔ اسلاف سے کہیں زیادہ قرآن مجید اس کا مستحق ہے کہ آپ قرآن مجید کا احترام کیجئے۔ قیامت کے دن جس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اور میری یہ کتاب اور اس کے مخاطبین کی حیثیت سے آپ لوگ پیش ہوں گے اس وقت ہزار سالہ اجماع والے مجتہدین و فقہاء و محدثین و مفسرین آپ کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ غلو فی المرویات کی وجہ سے میرے یہ سب دلائل اسلاف کے ذہن میں نہ آئے ہوں اور وہ ان موضوع حدیثوں کو صحیح سمجھ کر اتباع سنت کے خیال سے تین طلاق اور اس کے لئے حلالہ اور طلاق بائنہ وغیرہ کے قائل ہوگئے ہوں اور چونکہ ان کی نیت اتباع سنت کی تھی اس لئے ان کی متفق علیہ خطائے اجتہادی معاف فرمادی جائے اور مجھ کو امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ ایسا ہی انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ مگر آپ حضرات کے سامنے اسلاف کی خطائیں دلائل واضحہ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں۔ آپ اگر ان مہرنیمروز کی طرح واضح و روشن دلائل و براہین کے باوجود ان سے صرف نظر کرکے اپنی کورانہ تقلید پر قائم رہیں گے تو یقیناً اپنے کو آپ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ کا مصداق بنائیں گے اور قرآن مجید پر ظلم کرنے والوں کی فہرست میں آپ سب لوگوں کے نام ثبت ہوں گے۔ فاتقوا اللّٰہ الذی الیہ تحشرون۔ واتقوا اللّٰہ ان کنتم مومنین۔

آپ نے جو اعتراض مجھ پر فرمایا ہے وہ مجھ پر نہیں وارد ہوتا۔ اس لئے کہ جو ایک فرضی اور وہمی دشواری آپ محسوس کر رہے ہیں اگر آپ کے نزدیک اس کا وہی حل ہے جو آپ فرماتے ہیں تو اس کو قرآن مجید سے ثابت کیجئے ورنہ کہئے کہ قرآن مجید نے اس دشواری کا کوئی حل نہیں بتایا ہے اس لئے ہم لوگ

خود اپنی عقل سے اس دشواری کا حل نکالنے پر مجبور ہیں اور پھر قرآن مجید کے دعویٰ ما فرطنا فی الکتب من شئی اور نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی کے نعرے روایت پرستوں کے سامنے لگانا چھوڑ دیجئے اور جب آپ کے نزدیک بھی نعوذ باللّٰہ قرآن مجید ناقص ہے' بعض ضروری دینی دشواریوں کا حل قرآن مجید میں نہیں بتایا گیا ہے تو آپ ان دشواریوں کا حل اپنی عقل سے سوچ کر نکالتے ہیں اور روایت پرست احادیث منسوب بہ رسول سے ان کا حل نکالتے ہیں' آپ اپنی عقل کا اتباع کرتے ہیں اور وہ اپنی دانست میں رسول کا اتباع کر رہے ہیں فائی الفریقین احق بالامن؟ اپنی عقل کا اتباع کرنے والا اچھا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والا؟ اگر آپ فرمائیں کہ حدیثوں میں موضوعات و مکذوبات بہت ہیں ان کا اعتبار کیا تو میں کہوں گا کہ عقلیں غلط کار اور اتباع ہوا کرنے والی بہت ہیں' اس لئے گمراہی کا خطرہ دونوں کے لئے یکساں ہے مگر ادھر نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے اور آپ کا حال تو ویسا ہی برا ہے اور نسبت ندارد اور اگر ہے تو ہوائے نفس کی طرف قرآن مجید نے تو اسی قسم کی دشواریوں کے حل کے لئے فرما دیا ہے اسی طلاق ہی کے سلسلے کی زیر نظر آیتوں میں سے آخری آیت میں کہ ولا تتخذوا آیت اللّٰہ ھزوا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ٹھٹھا مذاق نہ بناؤ۔

جو شخص صبح شام نہیں ہر ہفتے یا ہر مہینے ہی سہی بلکہ ہر سال ہی بیوی کو طلاق دیا کرے اور امساک کر لیا کرے تو یقیناً" اس نے طلاق کو مذاق بنا لیا ہے اور قرآنی آیتوں کے ساتھ وہ ٹھٹھا کر رہا ہے۔ بار بار جلدی جلدی کوئی طلاق دے گا اور ہر مرتبہ رجوع کر لے گا تو وہ قرآنی طلاق ہی کب ہوگی۔ وہ تو ہزار سالہ اجماع والی مولویانہ طلاق ہوگی کہ جب اور جس وقت چاہا طلاق دیدی۔ قرآن مجید کے رو سے وہ طلاق ہی کب ہے ایک فعل لغو ہے جو غصے میں اس سے صادر ہو گیا یا ہو جاتا ہے۔ جہالت سے یا غصے کی بے اختیاری میں ایسا اس سے ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً معاف ہے۔ جہالت سے ایسا کرتا ہے تو کسی صاحب علم کو چاہئے کہ اس کو سمجھا دے کہ

ایسا نہ کرے یہ دین کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے اس لئے سخت گناہ ہے وہ تو یہ کرلے گا اور پھر ایسا نہیں کرے گا اور جب قرآن مجید کے رو سے ایسی طلاق ہی نہیں ہے تو اساک و رَجوع کا سوال ہی کیا ہے۔

قرآنی طلاق تو ایک طہر کو مجامعت سے خالی رکھ کر اس کے بعد جو حیض آئے اس حیض سے پاک ہونے کے بعد شوہر کو ایک طلاق دینا چاہئے اس کے بعد جب حیض آئے جو عدت طلاق کا پہلا حیض ہوگا ان سے جب عورت پاک ہو تو ضرورت اگر سمجھے تو پہلی طلاق کی تاکید و توثیق کے لئے دوسری طلاق بھی دیدے۔ کیا اس اہتمام کے ساتھ کوئی بار بار طلاق دے سکتا ہے؟ آپ گفتگو کریں گے قرآن سے اور جو طلاقیں یا طلاق یا طلاقیں دینے کے طریقے قرآن سے باہر فقہاء نے اختراع کر لئے ہیں یا عوام نے جن کو رواج دے رکھا ہے اور ان سے جو دشواریاں پیدا ہو رہی ہوں ان دشواریوں کا ذمہ دار ٹھہرائیں قرآن مجید کو یہ کون سا انصاف اور انداز بحث و نظر ہے؟ فقہا کی اپنی پیدا کردہ دشواریوں کا حل آپ قرآن مجید سے کون پوچھنے والے۔ اگر پوچھنا ہے تو فقہاء سے پوچھئے قرآنی طلاق دینے والا قرآنی آیات کو کبھی ٹھٹھا نہیں بنا سکتا۔ آخر کتاب میں ہزار سالہ اجماع امت کو قرآن مجید سے زیادہ واجب الاتباع سمجھنے والے علمائے کرام سے میرا بھی ایک سوال ہے۔

**میرا سوال علماء سے** قرآن مجید نے تو صرف دو ہی قسم کی طلاقیں رکھی ہیں : تسریحی جو ایک بار ایک طلاق دی جاتی ہے اور اس سے فورا" نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور ایسی طلاق صرف غیر ممسوسہ اور مختلعہ ہی کو دی جاتی ہے اور ان دونوں پر عدت طلاق بھی فرض نہیں۔

دوسری طلاق اساکی ہے جس کو آپ لوگ رجعی کہتے ہیں از روئے قرآن مجید وہ غیر ممسوسہ اور مختلعہ کی طلاق کے سوا ہر طلاق ہے اور ایسی طلاق کے بعد مطلقہ کے لئے عدت فرض ہے۔

آپ اجماع امت والے صرف ایک یا دو طلاق کو رجعی کہتے ہیں اور الطلاق مرتن سے اس کی سند پکڑتے ہیں، تین طلاق کے آپ لوگ قائل ہیں جس کو زبردستی خلاف اصول ادب عربی فان طلقها کے بعد اپنی طرف سے طلقۃ ثلثۃ بڑھا کر اور اس کا عطف الطلاق مرتن پر کرکے بڑی دشواریوں کے ساتھ کبھی اس سے اور کبھی او تسریح باحسان سے تیسری طلاق ثابت کرتے ہیں اور تین طلاق مغلظ کہتے ہیں۔

مگر بائنہ غیر مغلظ جو شوہر کی زبان سے نکلے اور فورا" عوت بائنہ ہوگئی یعنی فورا" اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے مگر اس پر عدت بھی آپ لوگ فرض قرار دیتے ہیں اور پھر شوہر کو عدت کے اندر امساک کا (اور اپنی ہزار سالہ اجماع والی اصطلاح کے مطابق رجعت) کا حق بھی نہیں دیتے یہ بائنہ طلاق قرآن کی کس آیت سے نکلتی ہے؟ بینوا توجروا!

شاید آپ فرمائیں کہ الطلاق مرتن تو رجعی ہے او تسریح باحسان بائنہ ہے اور فان طلقها سے تین طلاق والی مغلظ طلاق نکلتی ہے۔

تو یہ دھوکا ہوگا اس لئے کہ طلاق عدت کے شروع ہونے سے پہلے دی جاتی ہے عدت وقوع طلاق کے بعد شروع ہوتی ہے اور تسریح باحسان ختم عدت یعنی عدت کے بعد کے لئے ہے تو کیا جو چیز عدت ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے اس سے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں اس چیز کو جو عدت شروع ہونے سے پہلے واقع ہوتی ہے؟ کہدیجئے کہ ہاں۔ اول بہ آخر نسبتے دارد۔

اور ذرا یہ بھی بتا دیجئے کہ واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف (سورہ بقرہ ۲۳۱) اور پھر سورہ طلاق کے اوائل میں بھی یہی آیت ہے فرق اسی قدر ہے کہ وہاں او سرحوهن کے عوض او فارقوهن ہے تو اس حکم عام سے آپ کی ہزار سالہ اجماع امت والی طلاق بائنہ کس قرآنی دلیل سے مستثنیٰ ہوگی۔ مغلظ کے متعلق تو فلا تحل له من بعد جو مخلعہ کے لئے ہے آپ لوگ زبردستی اس حکم کو غریب

تین طلاق والی کے سرڈال چکے ہیں اور اسی غصب شدہ دلیل کی رو سے آپ مغلظہ کو آیت ۲۳۱ مذکور سے مستثنیٰ قرار دے دیں گے مگر بائنہ غیر مغلظہ جو آپ کے اجماع امت کے نزدیک ہے وہ کس طرح اس کے حکم عام سے مستثنیٰ ہوگی! ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین

اس وقت حکیم الملتہ اکبر الہ آبادی کی رباعی یاد آگئی ۔

سر رشتہ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

فللّٰہ درہ ثم للّٰہ درہ آپ لوگوں کا ایک کمترین بھائی
تمنا عمادی مجیبی غفرلہ
۱۶ر نومبر ۱۹۴۳ء
۲۴ عبدالعزیز لین پیل خانہ '
ڈھاکہ نمبر ۹

رباعی از تمنا غفرلہ

چارہ نہیں ہر چند روایت کے بغیر
مانو نہ روایت کو درایت کے بغیر
تقلید ہے رات اور تحقیق ہے شمع
شب کو نہ چلو شمع ہدایت کے بغیر

# تفسیروں کے کچھ نمونے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور سے بعض اہم تفسیروں کے کچھ نمونے بھی دکھا دیئے جائیں کہ آیات کو روایات کا تابع بنانے میں جو دشواریاں مفسرین کو پیش آئی ہیں اور دشواریاں کس طرح بھی حل ہوتی نظر نہ آئیں تو ان کا دماغی انتشار کس طرح ان کے قلم جادو رقم سے ظاہر ہوا ہے:

## قاضی بیضاوی:

رحمہ اللہ کی تفسیر کے کچھ نمونے تو اصل کتاب میں مذکور ہو چکے ہیں مثلاً"

نمبرا وبعولتھن احق بردھن کی ضمیروں کو خاص اور مرجع کو عام قرار دینا جو خلاف عقل ہے۔

نمبر۲ احق کی حقیق کے معنی میں بتانا پھر یہ کہنا کہ بعولتہ اپنی ھن ہی سے زیادہ حقدار ہیں ردھن کی اور دونوں باتوں کی لغویت میں بتفصیل تمام ثابت کر چکا گو دوسرے مفسرین نے بھی اس کو لکھا ہے۔

نمبر۳ ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کا مخاطب حکام کو قرار دینا اور شوہروں کو مخاطب سمجھنے میں نظم عبارت کی خرابی بتانا' صرف اس لئے کہ ولا یحل لکم ان تاخذوا الخ کا عطف کرتا ہے۔ الطلاق مرتن والے پورے جملے پر۔ اگر اس آیت میں بعولتہ مخاطب ہیں تو ان کا ذکر یہاں جمع مذکر حاضر کی ضمیروں سے اور ان کی ھن کا جمع مونث غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اس کے پچاس لفظوں کے بعد جو دوسری آیت شروع ہوتی ہے اس کے آغاز میں جو فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد الا یہ ہے اس کا عطف بھی یہ لوگ الطلاق مرتن ہی پر کر رہے ہیں مگر وہاں شوہر کا ذکر بھی ضمیری واحد مذکر غائب سے ہے اور اس کی عورت کا ذکر بھی واحد مونث غائب ہے اور جب لا یحل لکم ان تاخذوا

الخ اور فان طلقها فلا تحل له من بعد الخ دونوں کا عطف الطلاق مرتن ہی پر قرار دیا جائے گا تو دونوں آیتوں کی ضمیروں کے مراجع کی تلاش الطلاق مرتن ہی میں کرنی ہوگی اور دونوں آیتوں میں مذکر کی ضمیروں سے مراد طلاق دینے والے شوہر اور مونث کی ضمیروں سے مراد طلاق پانے والی عورتیں ہی ہونگی۔ تو الطلاق مرتن میں جو لفظ طلاق ہے اس سے ضمیروں کے مراجع اگر اگلوائے جائیں گے تو جمع یا واحد؟ یعنی ولا یحل لکم ان تاخذوا کا جملہ چاہے گا کہ شوہروں کی جماعت اور ان کی بیویوں کی بھی جماعت کو وہ الطلاق کا لفظ اگالے اور فان طلقها فلا تحل له الخ کا تقاضا ہوگا کہ وہ ایک شوہر اور اس کی بیوی کو اگلے۔ اور قاضی صاحب اور ان کی پوری جماعت مفسرین فان طلقها فلا تحل له کا عطف کسی نہ کسی طرح الطلاق مرتن پر ضرور کریں گے ورنہ وہ قرآن سے تین طلاق کا ثبوت کس طرح مہیا کرسکیں گے؟ اس لئے وہ فان طلقها کا عطف الطلاق مرتن پر کرنے سے دست بردار ہو نہیں سکتے اور ولا تحل لکم ان تاخذوا کا عطف اگر الطلاق مرتن پر نہ کریں تو کس پر کریں؟ کوئی دوسرا معطوف علیہ نظر نہیں آتا تو انہوں نے اپنی تفسیر کے گلے سے اس پھانس کے نکالنے کی یہ تدبیر سوچی کہ کہدو کہ لا یحل لکم ان تاخذوا الخ کے مخاطب بعولتہ ہیں ہی نہیں حکام ہیں۔

یہ انوکھی تاویل اپنی تفسیر کی گردن سے نحوی وادی پھانس نکالنے کے لئے سوچ کر نکالی گئی اور اس کو واجب التسلیم قرار دیا اور ڈرا دیا کہ اگر اس تاویل کو نہیں مانا جائے گا تو نظم عبارت میں خلل پیدا ہوجائے گا۔

قاضی صاحب اس تاویل کو پیش کرکے مطمئن ہوگئے کہ ولا یحل لکم ان تاخذوا کی دونوں جمع مذکر حاضر کی ضمیروں کو تو انہوں نے بعولتہ سے چھین کر حکام کو دیدیا۔ مگر اتیتموهن کی ضمیر جمع مونث غائب کو بھی مطلقات سے چھین کر حکام ہی کی کم سے کم دائیوں ماماؤں ہی کو دلوادیتے جب البتہ ان کی تفسیر کی گردن میں جو پھانس پڑی ہوئی ہے بالکل نکل جاتی اس لئے کہ آدھی ہی پھانس تو نکلی؟ جمع

مذکر حاضر کے مخاطب اگر یہاں شوہروں کی جماعت ہے تو فان طلقھا میں شوہر ایک فرد واحد کیوں ہوگا؟ اس طرح یہاں اتیتموھن میں طلاق پانے والیوں کی جماعت کا ذکر ہے تو فان طلقھا میں طلاق پانے والی ایک فرد واحد کیوں ہوگی؟ جب ھن سے آپ اتیتموھن میں طلاق پانے والیوں ہی کی جماعت مراد لینے پر مجبور ہیں اور فان طلقھا میں ایک طلاق پانے والی عورت کا ذکر ہے اور دونوں کا مرجع آپ اسی الطلاق مرتن والی الطلاق کے پیٹ سے نکلوانا چاہتے ہیں وہ بھی بیکدفعہ واحد بھی اور جمع بھی اور دونوں کے مرجع کو ایک ہی قرار دینے پر بھی آپ مجبور ہیں نظم عبارت کے جس خلل کو آپ نکالنا چاہتے ہیں وہ تو ابھی تک علی حالہ موجود ہے نہ وہ آپ کا مفروضہ و مزعومہ خلل نظم عبارت سے نکلا اور نہ آپ کی تفسیر کی گردن سے نحوی وادی پھانس نکل سکی بلکہ تحریف معنوں کی پھانس اور زبردست پھانس الگ آپ کی تفسیر کے گلے میں آپڑی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ مرافعہ کے وقت حکام ہی عورت سے مطلوبہ مال شوہر کو دلوائیں گے اور شوہر حکام کے دلوانے ہی سے لے گا اس لئے حکام کو یہاں مخاطب مجازاً" کیا گیا ہے۔ یہی امام رازی وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔

کس قدر مغالطہ آمیز تفسیر ہے یہ تعجب ہے کہ کس طرح مفسرین نے لکھی۔ حکام عورت سے دلوائیں گے شوہر کو اور شوہر وہ مال جو حکام دلوائیں گے لے گا اس لئے دلوانے اور لینے کے لئے اگر کہا جاتا اور شوہروں کے عوض حکام کو مخاطب سمجھا جاتا تو خیر یہ تاویل عقل میں آسکتی تھی یہاں تو مرافع کے قبل طلاق دینے کے ارادے کے وقت یا طلاق دینے کے وقت لینے کی ممانعت کا حکم ہے۔ کیا حکام کو ممانعت کی جارہی ہے کہ لا تاخذوا کیا حکام طلاق کے ارادے کے وقت یا طلاق دینے کے وقت زبردستی عورت سے شوہر کو اس کے دیئے ہوئے سب اموال دلوا رہے تھے کہ حکام کو مخاطب کرکے فرمایا جا رہا ہے کہ لا تاخذوا؟

اور کیا طلاق سے پہلے حکام ہی نے عورت کو مہر اور زیورات و ملبوسات شوہر سے دلوائے تھے جو اتیتم کے فاعل بھی حکام ہی بن جائیں گے؟ اتیتموھن کے مخاطب تو

یقیناً" بعولتہ ہی ہوں گے تو جو اتیتم کے مخاطب ہوں گے وہی لا تاخذوا کے بھی مخاطب ہوں گے۔

## امام رازی

الطلاق مرتن کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اذا جعلنا هذا الکلام مبتدا" کان قوله الطلاق مرتن یقتضی حصر کل الطلاق فی المرتین - وهو باطل بالاجماع۔ جب ہم نے الطلاق مرتن کو ایک ابتدائی جملہ قرار دیا یعنی یہاں سے ایک نئی بات مستقل طور سے شروع ہوئی کسی سابق جملے کا یہ تمہ نہیں ہے تو الطلاق مرتن کا جملہ اس کا مقتضی ہے کہ ساری طلاق دو ہی مرتبہ میں منحصر سمجھی جائے۔ یعنی دو مرتبے سے زیادہ طلاق نہ دی جائے مگر یہ باطل ہے اجماع کے سبب سے" آپ نے دیکھا؟ عبارت کا جو مفہوم صحیح سیاق عبارت جس کا مقتضی ہے اس مفہوم کا اعتراف ہے۔ آیت کے سیاق سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ طلاق دو مرتبے سے زیادہ نہ دی جائے مگر چونکہ اجماع اس کے خلاف ہے اس لئے جو مطلب آیت سے نکل رہا ہے وہ باطل ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یہ تھی ذہنیت ہمارے مفسرین کی یعنی اصل اطاعت قرآن مجید کی فرض نہیں ہے اور اجماع نعوذ باللہ قرآن کے واضح مفہوم صحیح معنی کو باطل کر سکتا ہے۔

## اجماع

یہ موقع اجماع پر مفصل بحث کرنے کا نہیں ہے۔ مگر جو شخص اصول فقہ کی مبادی سے بھی واقف ہے وہ اتنا تو ضرور ہی جانتا ہے کہ اجماع کسی امر ظنی کو قطعی بنانے کے لئے کیا جاتا ہے جو حکم کسی دلیل ظنی سے ثابت ہو اگر اس کے موافق اجماع ہو تو وہ قطعی سمجھا جائے گا۔ مگر مفسرین کے نزدیک امر قطعی و یقینی کو منسوخ کرنے اور مقتضائے نص قرآنی کو باطل قرار دینے کو صحیح نہیں سمجھتے ان کی بحث کو نقل کرنا فضول ہے۔ البتہ فان طلقها سے وہ تیسری طلاق ثابت کرتے ہیں مگر کس طرح ثابت کرتے ہیں سنیے۔ الطلاق مرتن سے فلا یحل لکم ان تاخذوا

مما اتیتموھن شیئا تک عام طلاق دینے والوں اور عام طلاق پانے والیوں کے متعلق احکام تھے الا ان یخافا سے فیما افتدت بہ تک ایک شوہر اور اس کی ایک عورت کے متعلق سلسلہ کلام شروع ہوا اس کے بعد جملہ معترضہ تلک حدوداللہ سے الظلمون تک ہے۔ اس کے بعد فان طلقھا آیا ہے تلک حدوداللّٰہ سے الظلمون تک کے جملہ معترضہ کو کوئی مفسر جملہ معترضہ اپنے قلم سے نہیں لکھتا ہے اس لئے کہ اگر اس کو جملہ معترضہ مان لیں تو پھر فان طلقھا کا تعلق جملہ معترضہ کے ما قبل متصل فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ سے ماننا پڑے گا۔ اس لئے جملہ معترضہ کو کوئی بھی جملہ معترضہ نہیں لکھتا مگر۔

ہے تمنا اس یقین جب کہ ملک ہی قابض روح ہیں

تو بچاؤ اس کا نہیں ہے یہ کہ عقیدہ ہی نہ ملک پہ رکھ

مگر جب تک درمیانی جملوں کو جملہ معترضہ نہ بتائیں الطلاق مرتن سے فان طلقھا کا تعلق ثابت نہیں کر سکتے۔ لیکن جملہ معترضہ درمیان کے سارے جملوں کو کہہ بھی نہیں سکتے ہیں۔ اس لئے امام رازی ولا یحل لکم ان تاخذوا سے فیما افتدت بہ تک کو خلع کے متعلق احکام قرار دیتے ہیں چنانچہ ولا یحل لکم ان تاخذو' سے الظلمون تک آیت کریمہ نقل کر کے لکھتے ہیں اعلم ان ھذا ھوالحکم الرابع من احکام الطلاق وھو بیان الخلع یعنی احکام طلاق میں سے یہ چوتھا حکم ہے یعنی پہلا حکم مطلقات کے عدت کا تھا دوسرا حکم وبعولتھن احق بردھن کا تھا اور تیسرا حکم الطلاق مرتن کا تھا یہ چوتھا لا یحل لکم سے ظلمون تک جو ہے وہ خلع سے متعلق ہے مگر فوراً" ہی اس کے بعد خود لکھتے ہیں واعلم انہ تعالٰی لما امران یکون التسریح مقرونا بالاحسان بین فی ھذہ الاینہ ان من جملتہ الاحسان انہ اذا طلقھا لا یاخذ منھا شیئا مں الذی اعطاھا من المھر والشیاب وسائر ما تفضل بہ علیھا ۔ یعنی جان لو کہ جب اللہ تعالٰی نے (شوہروں کو) تسریح کا حکم دیا ہے احسان کے ساتھ تو اس

آیتہ میں (یعنی لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا میں) بیان فرما دیا کہ منجملہ احسان یہ بھی ہے کہ جب شوہر بیوی کو طلاق دے تو جو کچھ اس کو دے چکا تھا مہر یا کپڑے یا اور سازو سامان اس میں سے کچھ بھی (اس عورت سے واپس) نہ لے۔ امام رازی کے خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ فلا یحل لکم ان تاخذوا الخ گویا ایک شرح ہے اور تسریح باحسان کی اور تسریح کا تعلق طلاق سے ہے نہ کہ خلع سے اور خلع کا تو ابھی ذکر بھی نہیں آیا ہے۔ اس کے علاوہ لا یحل لکم کے مخاطب تو یقیناً امام رازی کی اس تفسیر کی رو سے بھی اور سیاق و سباق سے تو ظاہر ہی ہے کہ طلاق دینے والے ازواج ہی ہیں جن کو الطلاق مرتن فرمایا گیا ہے اور جن سے کہا گیا ہے کہ مرتن کے بعد فامساک بمعروف او تسریح باحسان ۔ دو مرتبے طلاق کے بعد چاہے امساک کر لو چاہے احسان کے ساتھ تسریح کر دو اس لئے "فقنا" الطلاق مرتن سے شیئا تک ایک سلسلہ بیان ہے جو امام رازی کے بھی اس واعلم کے بعد والی پوری عبارت سے ظاہر ہے تو پھر ولا یحل لکم الخ کا تعلق خلع سے کیسے ہوگیا۔

فان طلقھا کی تفسیر میں اس کا عطف الطلاق مرتن پر کرکے اور یہ فرض کرکے کہ الطلاق مرتن سے باحسان تک طلاق کا حکم ہے اور پھر فان طلقھا میں تیسری طلاق کا حکم ہے اور درمیان میں خلع کا حکم ہے اس زعم باطل کو قائم کرکے تحریر فرماتے ہیں واعلم ان وقوع ایته الخلع بین ھاتین الایتین کالشئی الاجنبی ونظم الایہ الطلاق مرتن" فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔

دیکھا آپ نے پہلے ولا یحل لکم الایہ احکام میں سے ایک چوتھا حکم تھا مگر وھو بیان الخلع" (اور وہ خلع کا بیان ہے) بس اس قدر لکھ کر وہاں چھوڑ دیا تھا پھر ولا یحل لکم سے شیئا تک کا واضح تعلق او تسریح باحسان سے خود تحریر فرمایا کہ واعلم انه تعالیٰ لما امران یکون التسریح مقرونا بالاحسان بین فی ھذہ الایته ان من جمته الاحسان انه اذا طلقھا لا

یا خذ منھا شیئا الخ۔ اب میں کس سے پوچھوں کہ آپ نے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کا تعلق او تسریح باحسان سے اس سے پہلے بیان فرمایا تھا اور منجملہ احسان یہ بتایا تھا کہ اذا طلقھا لا یا خذ منھا شیئا اور اب یہاں ولا یحل لکم سے شیئا تک کو بھی مابعد کے ساتھ او تسریح باحسان اور فان طلقھا کے درمیان کا شئی الاجنبی قرار دے رہے ہیں جیسے ولا یحل لکم کا کوئی تعلق ہی اب او تسریح باحسان سے نہیں۔ اس کو کہتے ہیں مکر مفر مقبل مدبر معا۔

پھر نکتے پیدا کرنا تو امام رازی کا خاص فن ہے اس کے بعد خود سوال پیدا کرکے خود جواب دیتے ہیں لکھتے ہیں ۔ فان قیل فاذا کان النظم الصحیح ھذا (یعنی الطلاق مرتن فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقھا الخ) فما السبب فی ابقاع آیتہ الخلع فیما بین ھاتین الا یتین؟ قلنا السبب ان الرجعتہ والخلع لا یصیحان الا قبل الطلقتہ الثالثہ اما بعد ھا فلا یبقی شئی من ذلک فلھذا السبب ذکر اللہ حکم الرجعتہ ثم اتبعہ بحکم الخلع ذکر بعد الکل حکم الطلقتہ الثالثہ لا نھا کالخاتمتہ لجمیع الاحکام المعتبرہ فی ھذا الباب۔ سب سے پہلے ایک زعم باطل قائم کر لیا کہ فان طلقھا سے مراد تیسری طلاق دینا ہے اور اس کا عطف الطلاق مرتن پر ہے اور درمیان کے سارے جملے کا شئی الاجنبی ایک غیر متعلق باتیں تھیں جن کا تعلق نہ الطلاق مرتن فامساک بمعروف او تسریح باحسان سے تھا نہ فان طلقھا سے ہے اور وہ جو دو صفحے اوپر ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا کے متعلق لکھ دیا تھا کہ انہ تعالٰی لما امران یکون التسریح مقرونا با الاحسان بین فی ھذا الا یتہ ان من جملتہ الاحسان انہ اذا طلقھا لا یا خذ منھا شیئا وہ تو لکھا تھا وہاں کی بات وہیں تک تھی۔ یہاں فان طلقھا کا تعلق ثابت کرنا ہے الطلاق مرتن فامساک بمعروف او تسریح باحسان سے نظر نہیں آ رہا ہے اس وقت تو

ولا یحل لکم سے الظلمون تک سارے جملے اپنے ماقبل و مابعد کے درمیان ان کو بالکل نظر آرہے ہیں۔

وہاں کیا تھا نہ پوچھو اسے　　　یہاں جو میں کہتا ہوں اس کو سنو

اس کے بعد نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اوپر نیچے طلاق کا ذکر بیچ میں خلع کا ذکر کیوں آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ رجعت اور خلع تین طلاق سے پہلے کی چیز ہے اور رجعت دو طلاق کے بعد کی چیز۔ تین طلاق کے بعد تو قصہ ہی تمام ہوجاتا ہے نہ رجعت کا موقع رہتا ہے نہ خلع کا اس لئے دو طلاق کے بعد رجعت کا ذکر کیا پھر خلع کا آخر میں تین طلاق کا ذکر کرکے خاتمہ بالخیر کردیا۔

مگر امام صاحب نے صرف رجعت کا ذکر کیا۔ اگرچہ قرآن مجید میں رجعت'' کا ذکر ہرگز نہیں ہے امساک'' کا ذکر ہے۔ مگر ہمارے مفسرین و فقہا تو قرآنی اصطلاح کبھی استعمال ہی نہیں کرتے اس لئے وہ امساک'' کا لفظ کس طرح لکھتے اپنی خاص اصطلاح رجعت کا لفظ استعمال کیا۔ بہرحال مگر تسریح کو کیوں چھوڑ دیا معلوم نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے امساک کے بعد تسریح کا ذکر کرکے معاملے کو ختم کردیا تھا تسریح کے بعد تو پھر نہ کسی طلاق کی گنجائش ہے نہ خلع کی نہ رجعت کی ۔ فان طلقھا سے اگر تیسری طلاق مراد ہے تو کیا تسریح کے بعد جب مطلقہ مسرحہ ہوکر اپنے اپنے اولیاء کے گھر پہنچ چکی ہوں تب؟

## اور امام رازی

الطلاق مرتن کی تفسیر میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اس کو جملہ مستانفہ نہ کہیئے بلکہ اس کا تعلق ماقبل کے ماقبل یعنی وبعولتھن احق بردھن سے تسلیم کیجئے۔ اس اعتبار سے کہ وبعولتھن کے جملے میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے یا کسی وقت متعین تک کے لئے۔ اس کو الطلاق مرتن نے بتادیا کہ حق رجعت بس دو ہی طلاق تک ہے اس کے بعد نہیں۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر سے بہتر تفسیر ہے۔

مگر امام صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ آخر الطلاق مرتن والی آیت کا وبعولتھن والی آیت سے نحوی اعتبار سے کس قسم کا ہے؟ الطلاق مرتن پر کوئی حرف عطف ہے نہیں کہ اس عطف کو تفسیری کہا جائے۔ الطلاق پر الف لام عہد کا ہے تو وبعولتھن والی آیت میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے کہ اس عہد کا تعلق وبعولتھن کی آیت سے سمجھا جائے۔ وبعولتھن کی ضمیر کے مرجع امام صاحب بھول کر بھی ذکر نہیں فرماتے کہ المطلقت کی طرف یہ ضمیر پھر رہی ہے کیونکہ وہاں الف لام استغراق کا ہے اس لئے ہر مطلقہ کے شوہر دوسروں سے اس کے زیادہ حقدار اس سے ثابت ہو رہے کہ ان کی مطلقہ انہیں پاس واپس جائیں جن میں بائنہ و مغلظہ بھی داخل ہیں اس لئے ضمیر اور مرجع کا مطلق ذکر ہی نہیں کرتے اور نہ الطلاق کی الف لام استغراق یا عہد پر کوئی معقول یا مقبول بحث کرتے ہیں بلکہ یہ لکھ کر قولہ الطلاق مرتن یقتضی حصر کل الطلاق فی المرتیں اس کو ظاہر کر دیتے ہیں کہ یہاں الف لام ان کے نزدیک استغراق کا ہے عہد کا نہ سہی استغراق ہی کا سہی مقصد ایک ہی ہے عہد کا بھی اگر مانا جائے تو اس کا معہود وہی المطلقت یتربصن والی طلاق ہوگی اور المطلقت پر الف لام استغراق کا ہے تو معہود مستغرق ہے تو عہد کیوں مستغرق نہ ہوگا۔

امام رازی نے جو یہ فرمایا کہ ونظم الایتہ الطلاق مرتن فامساک بمعروف او تسریح باحسان ط فان طلقھا فلا یحل لہ من بعد الخ۔ الطلاق مرتن کے بعد جب اسی پر فان طلقھا کا عطف قرار دیا جائے گا تو یقیناً اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد۔ من بعد کا فعل ظروف لازم ہے اس لئے من بعد کا مضاف الیہ اگر المرتین کو بتائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فلا تحل لہ من بعد المرتین یعنی طلاق دو مرتبے ہے تو اگر شوہر نے اپنی بیوی کو دو مرتبے طلاق دیدی تو وہ دو مرتبے طلاق کے بعد اس کے لئے حلال نہ رہے گی۔ اور یہ مفہوم یقیناً" سب کے نزدیک غلط ہے اور پھر الطلاق مرتن کے بعد جو فامساک بمعروف اور تسریح باحسان ہے وہ

درمیان میں لفظا اور معنی دونوں حیثیتوں سے حشو د لغو ٹھہرتا ہے اس لئے امام صاحب کو لازم تھا کہ فامساک" سے الظلمون تک خلع سے متعلق کسی طرح منطق کے زور سے قرار دیتے۔ جب ولا یحل لکم شیئا تک کو خلع سے متعلق وہ قرار دے سکتے ہیں تو فامساک سے شیئا تک کو خلع سے متعلق قرار دینے میں ان کے لئے کیا دشواری ہو سکتی ہے فامساک" سے مراد لیں امساک مال" یعنی جو کچھ مختلعہ کو دے چکا ہے اس کو شوہر روک لے مختلعات کے ساتھ جو منصفانہ دستور ہے اس کے مطابق یا مال نہ روکے احسان کرکے مال کے ساتھ مختلعہ کو رخصت کر دے" اس طرح سے لکھنے میں ان کو جو دشواری ولا یحل لکم میں پیش آئی کہ اس کو باحسان کی شرح بھی قرار دیتے ہیں۔ پھر او تسریح باحسان کے لئے شئی اجنبی بھی لکھنے میں پیش نہ آئی لیکن اس طرح کی کھینچ تان کے بعد بھی کام نہیں نکلتا اس لئے کہ اس تاویل ذلیل سے صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ نظم عبارت جو الطلاق مرتن" فان طلقها" بنانے میں فامساک بمعروف او تسریح باحسان کا جملہ حشو و لغو ٹھہرتا تھا اس تاویل ذلیل سے وہ حشو و لغو نہ ٹھہرے گا۔ لیکن مطلقہ دو ہی طلاق کے بعد شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور بغیر حلالہ کے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ امام صاحب کی سارے یعنی ہیچ انجام افسوس ہے کہ اتنی کھینچ تان اور اتنی کھلی تحریف کے بعد بھی تین طلاقیں ثابت کرنے میں مطلق کامیاب نہ ہو سکے جس شخص کو ادب عربی سے کچھ بھی مناسبت ہے اگر وہ اسلاف کے ساتھ حمیتہ جاہلیتہ نہیں رکھتا ہے اور ایمان و دیانت سے محروم نہیں ہے تو یقیناً اس کا اعتراف کرے گا کہ اگر واقعی ان طلقہا کا عطف الطلاق مرتن پر ہوتا اور من بعد سے مراد بعد المرتین ہوتا تو ضروری تھا کہ فان طلقها کے بعد طلقہ ثالثہ کا لفظ بھی ہوتا۔ ورنہ کم سے کم من بعد کا لفظ فان طلقها کے بعد ہوتا۔ اپنے مضاف الیہ کے ساتھ یعنی یا تو یوں عبارت ہوتی فان طلقها طلقته ثالثه فلا تحل له من بعد اس صورت میں من بعد سے مراد من بعد الطلقته الثالثه ضرور ہوتی ورنہ یوں عبارت ہوتی فان طلقها بعد المرتین فلا تحل له۔ الطلاق

مرتن کراچی میں اور فان طلقھا چاٹگام میں۔ درمیان کے جملوں کو جو کالشئی الاجنبی امام صاحب نے فرمایا ہے وہ جملے دریا میں ابکوں ڈبکوں کر رہے ہیں اس درمیانی وسیع خلیج کو عبور کراکے جو آپ فان طلقھا کو اس کالے کوس والے الطلاق مرتن سے جوڑنا چاہتے ہیں تو یا تو یہ ثابت کیجئے کہ اس فان طلقھا کا عطف تعقیبی الطلاق مرتن کے سوا کسی اور جملے پر چونکہ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اتنی دور دراز کے جملے پر عطف کرنا ہی ہوگا یا جو قریب بلکہ قریب ترین معطوف علیہ فان طلقھا کا فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔ نظروں کے سامنے ہے اس کو اس کے معطوف علیہ بنانے میں کوئی ادبی یا عقلی یا از روئے قرآن مجید کوئی شرعی خرابی بتایئے کہ ہر شخص اسی قریب ترین معطوف علیہ کو چھوڑ کر اس کالے کوس ہی والے معطوف علیہ پر اس فان طلقھا کا عطف کرنے پر اپنے کو مجبور سمجھے۔ امام رازی اگر اس وقت زندہ نہیں ہیں تو بہت سے علماء اس وقت ان کے مقلدین وکلاء موجود ہیں وہ امام رازی کی اس تفسیر پر جو میرے اعتراضات ہیں ان کے جوابات دیں اور یہ تفسیر صرف امام رازی کی تو ہے نہیں سب مفسرین اسی قسم کی لنگڑی تاویلیں کر رہے ہیں لکھتے ہیں قرآنی آیات کی تفسیر اور روایات کی بھرمار کئے جاتے ہیں کہ دیکھنے والے کی نظر غور آیات کی بجائے ان روایات پر ہی پڑے اور پھر جو رائے وہ قائم کرے انہیں روایات کے ماتحت قائم کرے آیات خود کیا کہتی ہیں اس پر غور کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملے۔

دکھا دو شیخ کو تصویر ان کی  کہ پھر ڈالیں نہ مہر و ماہ پر آنکھ

امام رازی نے بھی لا یحل لکم کا مخاطب حکام کو ٹھہرایا ہے مگر اس پر زیادہ زور نہیں دیا ہے اور زمخشری نے بھی کمزوری کے ساتھ اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ صرف بیضاوی نے اس پر زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ولا یحل لکم ان تاخذوا کی ضمیر حکام کی طرف نہیں پھیری جائے گی تو نظم عبارت میں خلل واقع ہوگا اس لئے ہم نے بیضاوی کی تفسیر کے ذکر میں اس خلل کو دور کیا ہے جو نظم عبارت میں بتاکر دوسروں کے دماغ میں خلل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

**وشہد شاہد منہم** تفسیر مظہری بہت معتمد علیہ تفسیر سمجھی جاتی ہے مگر ایک متاخر کی تفسیر سمجھ کر اس کو دیکھنے کا بھی خیال ہی نہ آیا ایک عزیز نے خط کے ذریعے مجھ کو اس کی طرف توجہ دلائی تو حیرت پر حیرت ہوئی۔ سنئے۔

جلد اول صفحہ ۳۰۸ میں فرماتے ہیں ثم قال اللّٰہ تعالٰی فان طلقھا فلا تحل لہ الفاء لفظ خاص للتعقب وقد عقب الطلاق الافتداء فان لم یقع الطلاق بعد الخلع یبطل موجب الفاء۔ والقول بانہ متصل باول الکلام وقولہ تعالی ولا یحل لکم الی قولہ تعالی الظلمون معترض تحکم واخلال بنظم الکلام بلا دلیل وما قال الشافعی ان اللّٰہ سبحانہ و تعالی ذکر الطلاق فی اول الایتہ و آخرھا وذکر الخلع فی ما بین ذلک" لیس بشئی فانہ لم یذکر الخلع والفسخ فی الکلام اصلا ۔ انما ذکر افتداء المراۃ وسکت عن فعل الزوج۔ فلیس فعلہ الا ما ذکر من الطلاق فظھر ان الطلاق المذکور سابقا ان لم یکن بمال فھو رجعی و ان کان بمال فھو بائن حتی یتحقق الافتداء ولا یجتمع البدل والمبدال منہ فی ملک الزوج۔ سواء کان ذلک بلفظ الطلاق او بلفظ الخلع او غیرھما مما یودی معناہ۔ وتسمینہ خلعا اصطلاحا" لم یثبت من القران۔ واللّٰہ اعلم (ترجمہ) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فان طلقھا فلا یحل لہ (اگر اس نے طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی) "فے" ایک ایسا لفظ ہے جو مفہوم تعقیب کے لئے مخصوص ہے اور یہاں طلاق کا ذکر افتداء کے بعد کیا گیا ہے تو اگر خلع کے بعد طلاق واقع نہ ہو تو "فے" کے لانے کی جو غرض ہے وہ فوت ہوجاتی ہے اور یہ کہنا کہ وہ (یعنی الطلاق مرتن) سے ولا یحل لکم سے الظلمون تک جملہ معترضہ ہے زبردستی کی بات ہے اور نظم کلام میں خلل ڈالنا ہے بغیر کسی دلیل کے۔ اور وہ جو امام شافعی نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیت کے اول و آخر میں طلاق کا ذکر فرمایا ہے اور درمیاں میں خلع کا وہ کچھ بھی نہیں

ہے" اور اللہ تعالیٰ نے خلع و فسخ کا اس کلام میں بالکل ذکر کیا ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے عورت کے اپنی گلو خلاصی کے لئے مال پیش کرنے کا مگر شوہر اس کے بعد کیا کرے گا؟ اس کے متعلق سکوت اختیار فرمایا ہے تو (یقیناً) شوہر کا (اس موقع پر) طلاق کے سوا کوئی دوسرا فعل نہیں ہو سکتا۔ تو ظاہر ہو گیا وہ طلاق جو پہلے مذکور ہوئی ہے (الطلاق مرتن میں) وہ دو قسم پر ہے) اگر مال کے بغیر ہے تو رجعی ہے اور اگر مال لے کر دی گئی ہو تو بائن ہے تاکہ فدیہ دینے کا مقصد پورا ہو' اور بدل اور مبدل منہ دونوں پر شوہر کا قبضہ نہ رہے (یعنی شوہر مال بھی عورت سے لے لے اور طلاق بھی رجعی دے کر امساک کرلے تاکہ نکاح بھی باقی رہے۔ ایسا نہ ہونے پائے اس لئے مال کے بدلے میں جو طلاق ہو وہ پوری (بائن ہو) اب چاہے شوہر طلاق کا لفظ زبان سے ادا کرے یا خلع کا لفظ' یا کوئی اور لفظ جو طلاق ہی کے مفہوم کو ادا کرے اور اس معاملے کا نام خلع جو رکھا گیا ہے یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو قرآن سے ثابت نہیں ہے اور اللہ سب سے زیادہ علم والا ہے"۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر نمبروار میرا تبصرہ ملاحظہ فرمایا۔

نمبرا قاضی صاحب علیہ الرحمہ بھی فرما رہے ہیں کہ فان طلقھا کا عطف تعقیبی افتداء پر ہے اور یہی میں مدت سے کہتا آ رہا ہوں۔

نمبر۲ فان طلقھا کا عطف جو امام رازی وغیرہ الطلاق مرتن پر کر رہے ہیں اور تلک حدود سے الظلمون تک کو جملہ معترضہ قرار دیتے ہیں یہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ اللہ کے نزدیک بھی محض زبردستی کی بات اور بلا دلیل نظم عبارت میں خلل ڈالنا ہے۔

نمبر۳ امام شافعی کا قول جس کو امام رازی نے بھی روغن قاز ملا کر پیش کیا ہے کہ آیت کے اول و آخر تو طلاق کا ذکر ہے درمیان میں خلع کا ذکر کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب علیہ الرحمتہ بھی اس قول کو لاشے قرار دے رہے ہیں یعنی یہ بات توجہ کے قابل نہیں ہے۔

نمبر۴ الکلام' (اس کلام) سے مراد اگر یہ آیت ہے تو خود ہی لکھ چکے ہیں

فان طلقها فلا تحل له لکھ کر والفاء لفظ خاص للتعقیب و قد عقب الطلاق الافتداء فان لم یقع الطلاق بعد الخلع یبطل موجب الفاء۔ اس کے بعد یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ الکلام سے ان کی مراد کلام اللہ ہے۔ باقی فسخ نکاح تو دین کا کون سا مسئلہ ہے جو قرآن مجید میں نہیں ہے جو صراحتاً" نہیں ہے وہ کسی دوسرے مسئلے کے ضمن میں مذکور ہوگیا ہے فسخ نکاح اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی خارجی سبب سے خود بخود نکاح فسخ ہو جائے جیسے ارتداد کے سبب سے اگر زن و شو میں سے ایک مرتد ہو جائے وغیرہ یا بالقصد نکاح فسخ کیا جائے جیسے حکام کے فیصلے سے نکاح فسخ کیا جائے قرآن مجید سے دونوں صورتیں مستنبط ہیں۔ یہاں جو فان خفتم الا یقیما حدوداللّٰہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به میں جو بات کو ایک تتمے کا محتاج چھوڑ دیا گیا اور جملہ معترضہ اس کے بعد لایا گیا اس میں ایک اشارہ حکام کے اس اختیار فسخ نکاح کا بھی ہے یعنی جب حکام دیکھیں کہ یہ دونوں آپس میں مل کر حسن معاشرت کے حدود اللہ کو قائم نہیں رکھیں گے' شوہر سب یا جس قدر مال کا مطالبہ کر رہا ہے عورت اس قدر دیتی نہیں ہے یا دے نہیں سکتی اور شوہر اپنے پورے مطالبے پر اڑا ہوا ہے تو جس قدر عورت اپنی گلو خلاصی کے لئے مال دے سکتی ہے وہ حکام کے سامنے رکھ دے اور حکام شوہر کو اتنا مال لے کر طلاق دینے پر مجبور کریں اگر وہ طلاق نہ دے تو حکام اولوالامر کی حیثیت سے شوہر کی طرف سے عورت کو صرف ایک طلاق دے کر فسخ نکاح کر دے سکتے ہیں۔ یہ طلاق تسریحی ہوگی اور اس کے بعد عورت عدت نہیں کرے گی مگر اگر بعد کو دونوں میں صلح صفائی ہو جائے تو دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ رشتہ نکاح قائم کر سکتے ہیں مگر شوہر نے اگر مال لے کر طلاق دی تو ایک ہی طلاق سے وہ عورت اس شوہر پر بالکل حرام ہو جائے گی جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے

نکاح نہ کرلے اور اس سے بھی طلاق نہ پالے یہ اس پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

نمبر۵ قاضی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فیما افتدت به فرما کر شوہر کے اقتداء کا ذکر فرمایا گیا مگر عورت کے اقتداء کے بعد شوہر نے کیا کیا؟ اس کا ذکر یہاں نہیں فرمایا گیا۔ یعنی فلا جناح علیهما فیما افتدت به کا جملہ ایک تتمے کا محتاج چھوڑ دیا گیا ہے۔ شوہر کے فعل سے سکوت یہاں پر کیوں اختیار کیا گیا؟ قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی وجہ نہیں بیان کی میں نے اس کی وجہ کتاب میں دوسری لکھی ہے اس وقت ایک نئی بات فسخ کے متعلق ذہن میں آگئی وہ یہاں لکھ دی جو اوپر گزری۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے بعد شوہر کا فعل طلاق کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یعنی اقتدائے زن کے بعد شوہر کیا کرے گا اسی کو فان طلقها کہکر بیان فرما دیا اور جو تتمہ جملہ معترضہ سے پہلے باقی لگا رکھا گیا تھا معترضہ کے بعد فوراً" بیان کر دیا گیا تاکہ سلسلہ کلام باقی رہے۔

نمبر۶ اس کے بعد قاضی صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فظهر ان الطلاق المذكور سابقا ان لم يكن بمال فهو رجعي - وان كان بمال فهو بائن یعنی الطلاق مرتان میں جس طلاق کا ذکر ہے اگر شوہر نے مال لے کر طلاق دی ہے تو طلاق بائن ہوگی مال نہیں لیا صرف طلاق دی ہے تو رجعی ہوگی یہ بات کس طرح آیت سے ظاہر ہوئی میں سمجھ نہیں سکا۔ عبارت قرآن سے اسی قدر نکلتا ہے کہ جو طلاق شوہر بطور خود عورت کو دے وہ دو مرتبے تک دی جا سکتی اس کے بعد عدت کے اندر امساک کرلے ورنہ تسریح کر دے۔ شوہر کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب وہ طلاق کا ارادہ کرلے تو طلاق دینے سے پہلے یا طلاق کے بعد یا تسریح کے وقت اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی اس مطلقہ سے واپس لے

لے اس کے بعد استثناء ہے فقط فلا یحل لکم ان تاخذوا الخ سے نہ کہ فامساک معروف سے۔ الطلاق مرتن سے باحسان تک اپنی جگہ ہر لفظ باقی ہے اخذ مال سے عام ممانعت کے بعد خوف و عدم اقامت حدود کی وجہ سے صرف ممانعت اٹھ گئی مگر اخذ مال کو مشروط کیا اس پر کہ جانبین کے حکم یا حاکم بھی معاملے کو سمجھ کر فیصلہ کریں کہ واقعی بغیر کچھ لئے دیئے دونوں اقامت حدود نہیں کر سکتے ہیں تو جس قدر مال وہ دلوائیں اس قدر شوہر لے لے اور عورت اتنا دینے میں عذر نہ کرے۔ یہ استثناء اسی ممانعت سے ہے جو امساکی طلاق دینے والوں کو کی گئی تھی اس لئے مستثنیٰ کا بھی تعلق اسی سے ہوگا۔ البتہ مستثنیٰ منہ میں تو عدم اقامت حدود کا خوف شوہر کو تھا مگر مستثنیٰ میں شوہر کے ساتھ عورت کو بھی اگر وہی خوف ہو اس صورت کو بھی لیا گیا۔ اس لئے مستثنیٰ میں سلسلہ کلام کا عنوان بدل دیا گیا کہ اب زن و شو دونوں کے لئے جمع کے صیغے نہیں لائے گئے بلکہ دونوں کے لئے واحد ہی کے صیغے مسلسل آخر بحث تک لائے گئے۔ شوہر بطور خود طلاق دے تو اس کو مہلت دی گئی ہے کہ آخر عدت تک وہ بار بار اپنے ارادے پر نظر ثانی کرے اور چاہے تو عدت کے آخر لمحے تک بھی امساک کرلے۔ مگر عورت کا مطالبہ طلاق اگر ہوگا تو وہ تسریح ہی کی طالب ہوگی وہ رجعی طلاق لے کر کیا کرے گی؟ اس لئے عورت کے مطالبہ پر شوہر اگر طلاق دے گا تو وہ طلاق تسریحی ہوگی جس کو اجماع امت والے بائن کہتے ہیں اور وہ ایک طلاق ہوگی۔ قاضی صاحب نے خلع کے متعلق تو فرمایا کہ یہ قرآنی اصطلاح نہیں ہے مگر بائن کب قرآنی اصطلاح ہے لیکن شوہر عورت کے مطالبہ طلاق پر عورت کے پیش کئے ہوئے مال کو لے کر طلاق دے گا تو پھر فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ

ہوگی۔ مگر اب منکوحہ غیر نہ ہونے کی وجہ سے جو حرمت ہے اس کو وہ اس سے بھی طلاق لے کر دور کر سکتی ہے اور پہلے شوہر کی زوجیت میں لوٹ جا سکتی ہے۔ مگر۔ وائے کرد پس امروز بود فردائے ۔ قاضی علیہ الرحمہ نے یہ سب صاف صاف کہنے کے بعد بھی صفحہ ۳۱۱ میں اسی فان طلقھا کی تفسیر لکھتے ہی بعداثنین وھو احد محمل قولہ تعالٰی او تسریح باحسان یہ وہی فان طلقھا ہے جس کا عطف وہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ پر صفحہ ۳۰۸ میں ایک ہی ورق پہلے کر چکے تھے یہ ہے مرعوبیت اپنے ہمعصروں سے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

امام رازی نے آیات زیر غور کی تفسیر میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پیش کرنا لطف سے خالی نہ تھا۔ مگر در خانہ اگر کس است حرفے بس است ۔ جس قدر میں لکھ گیا ہوں اہل انصاف و اہل دیانت کے غور کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اہل علم خود امام رازی اور دوسرے مفسرین کی تفسیریں دیکھ سکیں گے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اب دوسرے لوگ اپنا فرض ادا کریں یا نہ کریں اس کے ذمہ دار وہ ہیں میں تو اب عمر کی آخری منزلیں طے کر رہا ہوں بس صرف وقت کا منتظر بیٹھا ہوں ۔

ہنگام رحیل آمد بیچارہ تمنا را

پائے بزمیں دارد و پائے برکاب اندر۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

تمنا عمادی مجیی پھلواروی پاکستانی غفرلہ